﴿پیشکش: طوبیٰ لائبریری راولپنڈی﴾

معاونِ خصوصی: مولانا ادریس صاحب، خطیب

جامع مسجد سیّدنا حمزہؓ، F10، اسلام آباد

کتاب

مِصبَاحُ الزّجَاجَة شرح اردو مشکلاتِ

ابن ماجه

منتخب افادت: مولانا ریاست علی بجنوری صاحب،

محدثِ دیوبند

مئولف: مولانا اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضلِ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ؕ

مِصْبَاحُ الزُّجَاجَةِ

شرح اردو

مشکلاتِ ابنِ ماجہ

منتخب از افادات

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند و حضرات محدثین

مؤلف

مولانا قاری اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ نعمانیہ ۳۶۔ جی لانڈھی بزد دار العلوم کراچی
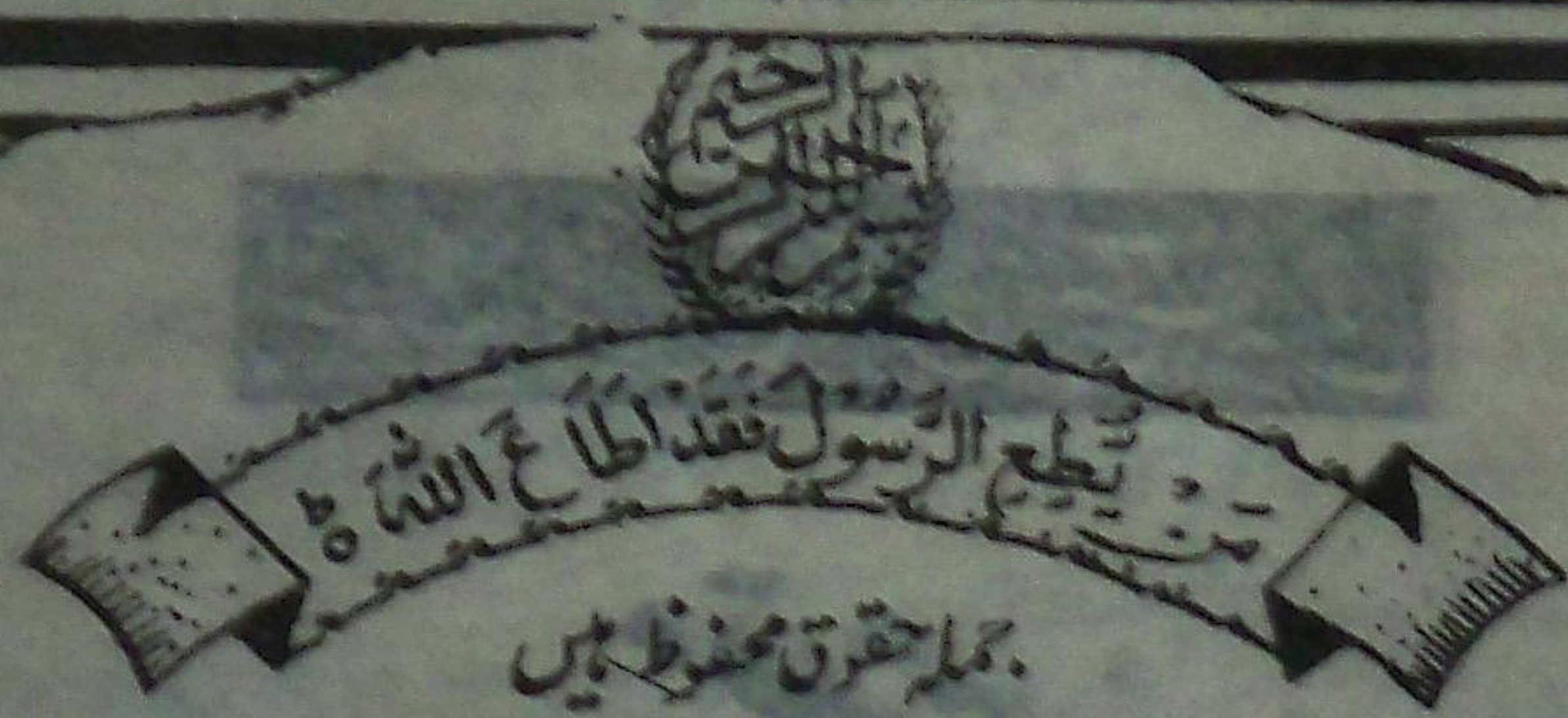
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

مِصْبَاحُ الزُّجَاجَة

شرح اردو

مشکلاتِ ابنِ ماجہ

منتخب از افادات

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند وبعض محدثین

مؤلف

مولانا قاری اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبۃ النعمانیہ، ۳۶ر جی لانڈھی، نزد دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سال گذشتہ جب راقم سطور ازہر ایشیا جامعہ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر رہا تھا تو دوران مطالعہ شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ سنن ابن ماجہ جو اپنے زبردست مقدمہ اور منفرد آغاز و بیان کے لحاظ سے اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی ہے ابھی تک مفصل و مبسوط نیز تشفی بخش شرح سے محروم اور حضرات اکابر رحمہم اللہ کی بے التفاتی کی شاکی ہے اور دس سے زائد مبسوط و مختصر شروحات سے مزین یہ سنن زمانے کی علمی کوتاہیوں اور ہم نااہلوں کی لاپرواہیوں کا رونا رو رہی ہے کیونکہ ہماری ہی بے التفاتی و ناقدری کی وجہ سے اس کی اکثر شروحات کمیاب و نایاب اور تاریخ کی زینت بن کر رہ گئی ہیں اور اتنی عظیم کتاب کی صرف ایک شرح ہی دستیاب ہے۔ جو اپنے بہت سے خصائص و محاسن کے باوجود نہ تو نصاب و مقدمہ کو حاوی ہے اور نہ ہی سیر حاصل کلام کی متحمل ہے۔

اسی پس منظر کے تحت علم حدیث میں فطری دلچسپی اور تحریر و ادب میں ارباب دارالعلوم کی حوصلہ افزائی سے راقم سطور کے دل میں یہ خواہش انگڑائی لینے لگی کہ اگر فراغت کے بعد میں ابن ماجہ پر کام کا آغاز کر دوں اور ایک عمدہ مفصل و مبسوط نیز قابل قدر شرح کو مرتب کر کے شرکاء دورہ حدیث اور علمی حلقہ کی خدمت میں پیش کر دوں تو یہ بات جہاں میرے لئے باعث فخر اور علمی ترقیات کا ضامن ہوگی وہیں توشۂ آخرت بھی۔

لیکن شرح کا نقشہ و اصول مرتب کرنے کے بعد معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ شرح کی ترتیب و تالیف ایک دیر طلب اور دشوار کن مرحلہ ہے جس کیلئے طویل عرصہ درکار ہے جبکہ ابن ماجہ کے سلسلہ میں طلباء حدیث کو فوری کسی حل کی شدید ضرورت ہے اس لئے فی الحال مکمل شرح کے بجائے نوٹس کی شکل میں صرف مشکلات کی اردو شرح لکھی جائے جو مکمل نصاب کو حاوی ہو۔ تو یہ حالات کے تقاضے کے عین مطابق اور طلباء حدیث کیلئے نہایت آسان و مفید بھی ہوگی۔

چنانچہ ہمت کرتے ہوئے سب سے پہلے دارالعلوم کے پندرہ سالہ امتحانی سوالات جمع کئے گئے جن کے حصول کیلئے غیر معمولی دوڑ دھوپ کرنی پڑی اس کے بعد اپنے علمی محسن اور شفیق اساتذہ کے سامنے پوری صورت حال رکھی اور اپنے عزم کا بھی بلا تردد و تذبذب اظہار کر دیا۔ حضرات موصوف نے نہ صرف یہ کہ ہمت افزائی بلکہ اس حل کا نقشہ و خاکہ سمجھایا اور نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا۔ چنانچہ اسی انداز پر فوراً کام کا آغاز کر دیا گیا اور رمضان کے پورے مہینے اسی کی تالیف و ترتیب میں منہمک رہا۔

عیدالفطر کے بعد جب راقم سطور کو بغرض تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ جانا ہوا تو وہاں ندوہ کی عظیم لائبریری سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا اور کچھ مجمل احادیث خال محترم حضرت مولانا زکریا صاحب قاسمی مدظلہٗ (محدث ندوۃ العلماء) سے حل کیں اور بعض پیچیدہ و مشکل احادیث میں دوسرے خال محترم مفسر و محدث حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی (مدیر الفرقان لکھنؤ) سے مدد لی گئی اور موصوف ہی کے قیمتی و پر علم فرمودات کی روشنی میں ان احادیث کی شرح کی گئی

عیدالاضحیٰ کے بعد مخدومی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ادام اللہ ظلہٗ علینا کے مشورہ اور حکم کے بموجب جب دوبارہ دارالعلوم ہی میں تعلیمی مراحل طے کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور ایک بار پھر بحیثیت طالب علم دارالعلوم دیوبند میں حاضری ہوئی تو یہاں پہونچ کر دارالعلوم کی عظیم الشان لائبریری سے استفادہ کا وہ موقع ہاتھ آگیا جس کا میں بے حد متمنی تھا۔

چنانچہ ماہ محرم الحرام سے انتہائی توجہ، انہماک، محنت و لگن، دلچسپی و دلجمعی کے ساتھ اس حل کی تکمیل کی جانب تیزی سے قدم بڑھاتا رہا اور آٹھ، نو مہینے کی مسلسل عرق ریزی کے بعد ۲۲ جمادی الاولیٰ بوقت بعد نماز جمعہ اس حل کی تالیف و ترتیب سے فارغ ہوا۔

مشکلات کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے میں نے حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ (استاذ حدیث و ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند) کے اسباق کو بنیاد بنایا ہے جو قلمبند ہوئے راقم سطور کے پاس موجود تھے۔

دوران تالیف جن احادیث کے بارے میں شروحات سے کچھ دستیاب نہ ہوسکا تو ان کو حضرت الاستاذ کی خدمت میں جا کر حل کیا گیا اور آپ ہی کے مطالعہ و فہم کی روشنی میں ان احادیث کی تشریح کی گئی ہے اور جو احادیث کچھ زیادہ پیچیدہ تھیں تو ان کیلئے حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہٗ (محدث کبیر دارالعلوم دیوبند) کی طرف رجوع کیا اور آپ کے قیمتی فرمودات سے بروقت بہت مدد ملی، جبکہ آخر میں اخی المعظم استاذی المکرم حضرت مولانا عمران ذاکر صاحب قاسمی سنبھلی کی علمی شخصیت سے بھی خصوصی استفادہ کا موقع ملا۔

اس شرح کی ترتیب وتالیف میں جن امور کا خصوصاً لحاظ رکھا گیا ہے وہ کچھ اسطرح ہیں:

- سالانہ امتحان کی پیچیدگیوں کو دور کر کے انہیں از سر نو سہل انداز میں مرتب کیا گیا۔
- جہاں ضرورت سمجھی وہاں اپنی جانب سے سوالات قائم کئے گئے اور ہر ہر پرچہ میں عموماً تین تین سوالات رکھ کران کے جوابات بالترتیب قلمبند کئے گئے۔
- حدیث باب کی مکمل تفتیش وتحقیق کی گئی اور ہر ہر شرح سے اس کا عطر لے لیا گیا۔
- زیر بحث حدیث کو اس طرح حل کیا گیا کہ باب کے ذیل میں آنے والی احادیث خود بخود حل ہو جائیں۔
- حدیث باب کا ترجمہ سادہ اور سلیس زبان میں کیا گیا نیز سیاق وسباق کے تقاضوں کے پیشِ نظر محذوفات کو اندرون بریکٹ اجاگر کر دیا گیا۔
- جوابات میں حتی الامکان یہ کوشش رہی کہ جو جواب دیا جائے وہ اکابر رحمہم اللہ کی زبان میں ہو اسی بنا پر شرح میں اقتباسات کی بہت کثرت ہے۔
- دورانِ جواب جو عبارت نقل کی گئی ہے اور جن جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے حاشیہ میں ان سب کا حوالہ قلمبند کر دیا ہے نیز تفصیل طلب حضرات کیلئے زیر بحث مسئلہ میں ان عمدہ کتب کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو اس موضوع پر اصول و مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں، ان حواشی کی وجہ سے حوالہ کا یہ سلسلہ بعض جگہ بہت طویل ہو گیا ہے جب کہ آخر میں قدرے تخفیف کر دی گئی ہے۔
- جہاں ممتحن نے کسی موضوع پر مضمون کی فرمائش کی ہے وہاں اپنی مصروفیت کی بناء پر مشہور ومعروف ادباء اور صاحب قلم مصنفین کے مضامین کو ان کی سلاست جامعیت اور اختصار کے پیشِ نظر بعینہٖ نقل کر دیا ہے اور جہاں حذف وترمیم ضروری سمجھی وہاں حاشیہ میں اس کی صراحت کر دی ہے جب کہ دوسری جگہوں پر راقم سطور نے مضامین خود لکھے ہیں اور ان تمام مضامین میں یہی بات پیش نظر رہی ہے کہ طلباء کو صرف مضمون لکھنے کا انداز بتا دیا جائے اور دلائل سے دورانِ مضمون قطعاً چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے اس کے بعد مضمون کے اختتام پر زیر بحث مسئلہ کے دلائل بھی بالترتیب درج کر دیئے ہیں تاکہ طلباء اس مضمون کو درج ذیل دلائل کی مدد سے ایک مبسوط مضمون کی شکل دے سکیں۔

ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اس حل کی ترتیب وتالیف میں نہایت محنت ومشقت اور غیر معمولی کاوش کرنی پڑی ہے اور سو سے متجاوز کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی اس کی تکمیل ممکن ہو سکی ہے جو آخر میں "فہرست مآخذ" کے عنوان سے نقل کر دی گئی ہیں اس محنت کا اندازہ

وہی اصحاب لگا سکتے ہیں جو خود اس انداز کے کام کو انجام دے چکے ہوں — اگر شرکاء دورہ حدیث نے اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو قبول کر لیا تو راقم سطور عنقریب ایک شرح پیش کرنے کی جسارت کرے گا جو اپنے انداز بیان۔ دلائل وبراہین اور زور اسلوب کے لحاظ سے ایک ممتاز شرح ہوگی اللہ تعالیٰ اس کی تالیف کی توفیق عطا فرمائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس مرحلہ پر میں اپنے محترم استاذ حضرت مولانا قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری (استاذ دارالعلوم دیوبند) کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے اپنے درسی اوقات سے مجھے بڑی حد تک فراغت دیدی اور میں دل جمعی کے ساتھ اس کی تکمیل کرتا رہا اور ساتھ ہی عزیز محترم مفتی ارشد صاحب مظفر نگری کا بھی میں نہایت ممنون ہوں جنھوں نے کچھ غلطیوں کی نشاندہی کی اور بروقت ان کی اصلاح کر دی گئی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ لغزشوں اور زلتوں پر متنبہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں اور جن حضرات کو اس تحریر سے کوئی فائدہ پہونچے وہ احقر کیلئے حیاً خدمت دین کی توفیق وخاتمہ بالایمان اور میتاً مغفرت وعلو درجات کی دعاء کر دیا کریں۔

اسعد قاسم سنبھلی القاسمی
فاضل دارالعلوم دیوبند
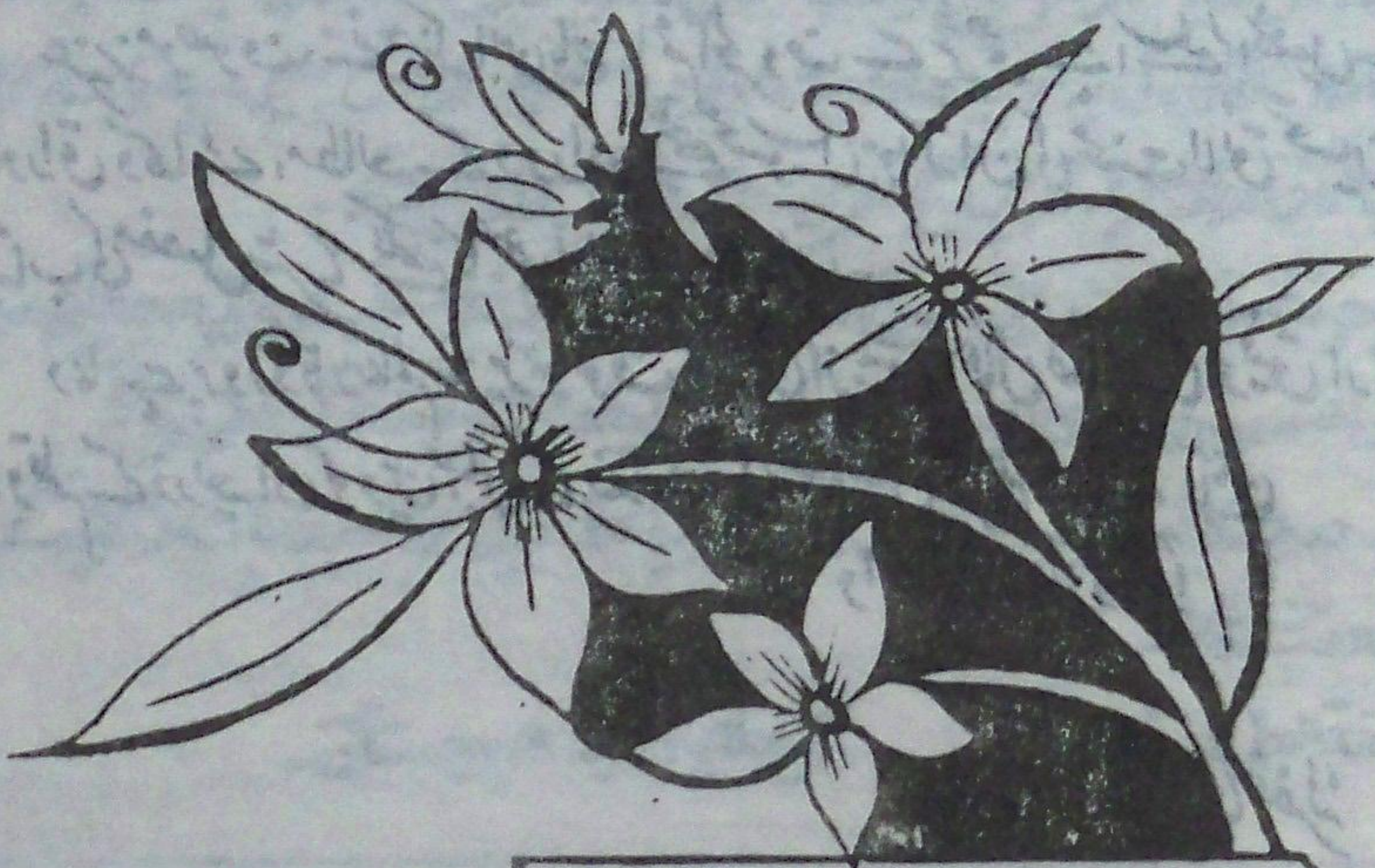
کاتب: اسعد اللہ ڈھاکہ ۹۳ء

رائے گرامی حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ ناظم تعلیمات و استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد!

دار العلوم دیوبند خداوند قدوس کے فضل وکرم سے وہ سدابہار گلشن ہے جس کے دامن میں ہمیشہ بہاروں کے قافلے فروکش ہوتے رہتے ہیں اس کے صحن میں ہر سال نئے شگوفے کھلتے ہیں۔ اس کے جلو میں پروردگار عالم نے برکت وسعادت کا وہ ماحول پیدا کیا ہے کہ طلبہ عزیز کی خوابیدہ صلاحیتیں نشاط زندگی کی جولان گاہ بن جاتی ہیں اور وہ اپنے روزمرہ کے اسباق کیساتھ ساتھ ایسی ایسی قابل ذکر خدمات انجام دیتے ہیں کہ بے ساختہ داد تحسین دینے کو جی چاہتا ہے مضمون نگاری اور خطابت کی صلاحیت تو مادر علمی کے پاکیزہ ماحول میں اس طرح پرورش پاتی ہے جیسے کوئی صحتمند اور طاقت ور پودا۔ معتدل آب وہوا۔ اور زرخیز زمین میں فضاؤں سے اپنا خراج وصول کر رہا ہو ——————— ایسی ہی ایک قابل تحسین ایک علمی کاوش عزیز محترم مولانا اسعد قاسم سنبھلی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ عزیز موصوف نے کافی محنت ومطالعہ کے بعد مشکلات ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے۔ اور دار العلوم دیوبند کے امتحانات کے پرچوں سے اور کہیں کہیں اپنے ذوق سے پہلے سوالات قائم کئے ہیں پھر ان کا قابل اعتماد اور تشفی بخش جواب قلمبند کیا ہے۔

عزیز موصوف نے چونکہ ابن ماجہ راقم الحروف سے پڑھی ہے اسلئے انھوں نے مسودہ کے کچھ اوراق دکھائے، مطالعہ کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ ان کی محنت لائق تحسین ہے اور وہ اس کتاب کی مفصل شرح لکھنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔

دعا ہے پروردگار عالم عزیز موصوف کو بیش از بیش اعمال صالحہ کی توفیق ارزانی کرے۔ اور زبان وقلم کے ذریعہ ان کو دین مبین کی خدمت کی سہولتیں فراہم فرمائے۔ آمین

والحمد للہ اولاً وآخراً

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال ۱ (الف) حدیث کی تعریف کیجئے۔

(ب)۔ کیا عہد رسالت میں کتابت حدیث کا آغاز ہوگیا تھا اگر جواب اثبات میں ہے تو عہد رسالت وعہد صحابہ کے مدون تحریری دوشتے تحریر کیجئے۔

(ج)۔ کتب حدیث میں صحاح ستہ کی ترتیب کیا ہے؟

(د)۔ ابن ماجہ شریف کی کل کتنی حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے؟

جواب سوال ۱ (الف)۔ حدیث کی تعریف کرتے ہوئے علامہ طاہر بن صالح الجزائری فرماتے ہیں:۔

"اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واحوالہ"

مذکورہ تعریف کو حافظ سخاویؒ نے مزید تشریح کیساتھ یوں نقل فرمایا ہے:۔

"والحدیث لغۃ ضد القدیم واصطلاحاً ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً لہ او فعلاً او تقریراً او صفۃ حتی الحرکات والسکنات فی الیقظۃ والمنام"

لیکن حافظ سخاوی کی یہ تعریف احادیث موقوفہ ومقطوعہ کو جامع نہیں ہے اسلئے مولانا تقی صاحب عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں صحیح تعریف اس طرح ہونی چاہیئے:۔

"ھو معرفۃ ما اضیف الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او الی صحابی او الی من دونہ ممن یقتدی بھم فی الدین قولاً او فعلاً او صفۃً او تقریراً"[۱]

(ب)۔ کتابت حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی میں ہوگیا تھا، ذیل میں عہد رسالت وصحابہ کے چند تحریری دوشتے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) الصحیفۃ لعلی المرتضیٰ رضہ۔ ذکرھا ابوداؤد السجستانی۔

---

[۱] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو توجیہ النظر فی اصول الاثر للجزائری، تنظیم الاشتات جلد اول، فتح المغیث للسخاوی، فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی، کشف اصطلاح الفنون لمحمد التھانوی، کشف الظنون لحاجی خلیفہ۔

(۲)	الصحیفة لابن مسعود رض	جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر۔
(۳)	الصحف لأنس بن مالک رض	تدوین الحدیث لگیلانی۔
(۴)	الصحیفة لابن عباس رض	طبقات لابن سعد
(۵)	الصحیفة لجابر بن عبد اللہ۔	نقل البخاری فی التاریخ الکبیر عن معمر
(۶)	الصحیفة الصادقة لابن العاص رض۔	مسند للامام ابن حنبل ۔
(۷)	کتاب الصدقة	یہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا املاء کرایا ہوا دوشتہ تھا۔
(۸)	الصحیفة لعمر رض بن حزم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن حزم کو نجران کا عامل بنانیکے بعد بطور قانونی دستاویز یہ صحیفہ ان کے حوالہ کیا۔
(۹)	الصحف لابی ھریرۃ رض	جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر و المستدرک للحاکم۔
(۱۰)	الصحیفة لسمرة بن جندب	تھذیب التھذیب لابن حجر العسقلانی۔

ان کے علاوہ بے شمار صحیفوں کا ذکر مطولات میں موجود ہے[۱]۔

(ج)۔ محققین کے نزدیک صحاح ستہ کی ترتیب اس طرح ہے :۔

(۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) نسائی شریف (۴) ابو داؤد شریف (۵) ترمذی شریف (۶) ابن ماجہ شریف ۔

بعض حضرات نے صحاح ستہ میں ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو شمار کیا ہے ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی بھی یہی رائے ہے جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک سنن دارمی کتب ستہ میں شمولیت کی زیادہ مستحق ہے لیکن محدثین کی اکثریت ابن ماجہ شریف ہی کو صحاح ستہ میں شامل کرنے پر متفق ہے ۔ حافظ عماد الدین دمشقی ، ابن الاثیر جزری ، ابو الحسن سندھی اور اکثر مورخین کی بھی یہی رائے ہے جب کہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی رح فرماتے ہیں کہ موطا امام مالک ہر حیثیت سے صحاح میں شمولیت کی زیادہ مستحق ہے ۔

(د)۔ حافظ عماد الدین دمشقی رح نے البدایہ والنہایہ میں امام ابو زرعہ رازی سے نقل کیا ہے انھوں نے ابن ماجہ شریف پر تحقیق کی تو کل دس بارہ روایتیں ایسی ان کی گرفت میں آسکیں جن پر

---

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: تدوین حدیث، مقدمہ درس ترمذی، تنظیم الاشتات، خطبات مدراس ۲۵۔

موضوع اور منکر کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔

اس سے مزید آگے بڑھتے ہوئے صاحب تذکرۃ الحفاظ نے اس قسم کی احادیث کی تعداد ۳۰ نقل کی ہے جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ ایسی احادیث کل اٹھارہ ہیں ۔

امام ابن الجوزی نے ابن ماجہ کی چوتیس ۳۴ احادیث کو موضوع کہا ہے ۔

ان اقوال کے علاوہ جمہور مورخین نے بھی ابن ماجہ شریف کی موضوع ومنکر احادیث کی تعداد تاریخی روایتوں کی مدد سے تیس ۳۰ ہی بتائی ہے[۱]۔

امام ابو زرعہ رازی کی دوسری روایت (جس کو ابن طاہر نے نقل کیا ہے) میں ضعیف و منکر احادیث کی تعداد تیس ۳۰ سے کچھ کم بیان کی گئی لیکن محشی نسائی شریف نے اس روایت کو منقطع السند ہونیکی بناء پر ناقابل تسلیم قرار دیا اور کہا وقد حکم ابو زرعة علی احادیث کثیرة منه بکونها باطلة او ساقطة او منکرة[۲] یعنی ابو زرعہ نے ابن ماجہ کی احادیث کی کثیر تعداد کو باطل ساقط اور منکر کہا ہے ۔

علامہ جلال الدین سیوطی رح نے بھی ابن ماجہ کی بائیس ۲۲ احادیث کو موضوع کہا ہے[۳]۔

سوال نمبر ۲ (الف)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ کی سوانح عمری مختصراً تحریر فرمایئے۔

(ب)۔ ابن ماجہ نے دیگر اصحاب سنن کی طرح اپنی کتاب کا آغاز کتاب الطہارت سے کیوں نہیں کیا؟

(ج)۔ ابن ماجہ شریف میں کتنی ثلاثیات مروی ہیں تعداد و طریق بتاتے ہوئے کسی ایک حدیث کو قلمبند کیجئے۔

(د)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں وضاحت کیجئے؟۔

جواب سوال نمبر ۲ (الف)۔ کنیت ابو عبد اللہ نام نامی محمد بن یزید ربعی قزوینی حضرت شاہ عبد العزیز کی تحقیق کے مطابق ماجہ آپکی والدہ محترمہ کا نام اور دادا کا نام عبد اللہ ہے مورخین کی بھی ایک جماعت کی یہی رائے ہے حضرت امام علیہ الرحمہ ۲۰۹ھ مطابق ۸۲۴ء

---

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو" ماتمس الیه الحاجة لمن یطالع ابن ماجه ۔ وتذکرۃ الحفاظ للذہبی تنظیم الاشتات ص۲۲ جلد اول ۔ الاحادیث الموضوعة للشوکانی ، الموضوعات لابن الجوزی ، الموضوع لعلی القاری" [۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو" کتاب العلل لابی حاتم" [۳] ملاحظہ ہو" منہج القدما ص۹۱ ومقدمه الفتح" وغیرہ ۔

میں عراق کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے قزوین کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں فتح کیا یہ اس وقت علمی دنیا کا نہایت زرخیز اور غیر معمولی اہمیت کا حامل شہر تھا اور یہیں سے دنیائے حدیث کی ایسی یکتائے روزگار ہستیاں اٹھیں جو علم حدیث میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں اور جن کو دنیا محمد بن سعید، علی بن محمد، عمرو بن رافع، اسماعیل بن توبہ وغیرہ کے بلند ناموں سے جانتی ہے۔

حضرت امام موصوف رح نے اپنا بچپن و لڑکپن اسی وطن مالوف کی علمی فضاؤں میں گذارا اور نوعمری تک قزوین ہی میں چوٹی کے محدثین اور قابل ترین علماء و محققین کے زیر سایہ علمی مراحل طے کرتے رہے ان تمام مشارب سے سیراب ہونے کے بعد آپ نے تبحر علمی کیلئے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بغداد، بصرہ، خراسان، مصر، شام، رملہ، واسطہ وغیرہ کے طویل ترین سفر کئے اور جبارہ بن غلیس، ابراہیم ابن المنذر، ابن نمیر، ہشام بن عمار، اصحاب مالک اور اصحاب لیث، ابوبکر بن شیبہ اور اسی طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے علم حاصل کیا اور فن حدیث و تفسیر میں وہ وسعت اور گہرائی حاصل کی جس کی نظیر بہت کم خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

امام موصوف نے حصولِ علم کے بعد جہاں فن تفسیر میں "التفسیر" فن حدیث میں "سنن ابن ماجہ" اور فن تاریخ میں "التاریخ" جیسی شاہکار کتابوں کی تصنیف کی وہیں حدیث کی زبردست درسی خدمات بھی انجام دیں اور آپ کے مختصر حلقہ درس سے فقہاء، صلحاء، مفسرین و محدثین کی شاندار جماعت تیار ہوئی۔ ابراہیم ہمدانی، احمد قزوینی، علی بن سعید عسکری، احمد بن روح شعرانی، محمد بن عیسیٰ، جعفر بن ادریس، حسین بن علی، سبحان بن یزید، ابن محمد اصبہانی، ابوالحسن علی بن ابراہیم وغیرہ اسی جماعت کے درخشاں ستارے ہیں۔

تفسیر و حدیث و تاریخ کے اس زبردست امام نے ۲۱ رمضان المبارک بروز دوشنبہ ۲۷۳ھ میں ۶۴ بہاریں دیکھنے کے بعد اس دارفانی کو خیرباد کہا ۲۲ رمضان المبارک سہ شنبہ کو آپکو سپردِ خاک کیا گیا اور یوں دنیا علم و معرفت کے ایک روشن منارے کی نورانی کرنوں سے محروم ہوگئی۔

ؔلہ امام صاحب کے حالات کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے تفصیل کیلئے انھیں کی طرف رجوع فرمائیں "ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع ابن ماجہ، مقدمہ انوار الباری ۲۷ ح۲ مطبوعہ پاکستان (بقیہ ص ۱۱ پر)

(ب) - اہلِ علم اور مصنفین کا یہ طرز عمل رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات کا آغاز انھیں مضامین اور علوم وابواب سے کرتے ہیں جو ان کے نزدیک مہتم بالشان اور انتہائی اہمیت کے حامل ہوں، آغاز کبھی علم کی نوعیت کی وضاحت کیلئے کبھی مشرب اور منبع کی جانب لطیف اشارہ کیلئے اور کبھی علم کے اعتماد کو بڑھانے کیلئے اس کی اسناد کی ثقاہت و عظمت سے کیا جاتا ہے اور کبھی شرط و مشروط کی تقدیم و تاخیر کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ کوئی مقرر نہیں بلکہ زمانہ کے تقاضوں، چند مباحث سے غفلت نیز غلو اور جہالت کے پیشِ نظر ہر محدث اپنے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق اپنی کتاب کا آغاز کرتا ہے اور اپنے ماحول سے بھی وہ متأثر ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کا آغاز "باب بدأ الوحی" سے کر کے وحی کی غیر معمولی اہمیت اور تمام علوم کا مشرب و منبع ہونے کی جانب ایک واضح اشارہ کیا ہے کیونکہ وہی سب سے مقدم ہے اور تمام اصناف علوم اسی کی رہینِ منت ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم" کو مدنظر رکھتے ہوئے اسناد کی بحث کو مقدم کیا تاکہ ہمارے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطوں اور رواۃ کی جو کڑیاں ہیں انکی ثقاہت اور اعتماد کی وضاحت ہوجائے اور انکی عظمت و ثقاہت دلوں میں اتر جائے۔

دوسرے اصحاب سنن نے "الشرط یتقدم علی المشروط" کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی تصنیفات کی ابتدا کتاب الطہارۃ سے کی کیونکہ اعمال جوارح سے عقائد و ایمان کی تصدیق ہوتی ہے اور اعمال میں سب سے اقدم نماز ہے اور اس کی ادائیگی کیلئے طہارۃ شرط ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" کے پیش نظر شرط اور مشروط کا معیار ہی بدل دیا اور انھیں نے اتباع سنت کو شرط اور پوری شریعت کو مشروط قرار دیا اور "وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا" کے پیش نظر "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی" کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ پہلے

(بقیہ ص ۱۰ کا) مقدمہ الاشعہ ص ۲۱ . مقدمہ انوار المحمود ص ۱۳ ، بستان المحدثین للدہلوی . ظفر المحصلین للگنگوہی ، محدثین عظام الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ۔

اتباعِ سنّت اور تعظیم حدیث وغیرہ ابواب قائم کئے پھر عقائد وایمان کی احادیث ذکر کرتے ہوئے فضائلِ صحابہ کا باب قائم کیا اس سے ان کا مقصد جہاں حضرات صحابہ اور وسائط کی عظمت وثقاہت کو ثابت کرنا ہے وہیں یہ لطیف اشارہ بھی کرنا ہے کہ حضرات صحابہ کسوٹی ہیں ہمارے عقائد ایمان وقدر وغیرہ جب ہی اتباعِ سنت کے زمرہ میں آئیں گے جب کہ وہ عقائدِ صحابہ کے عین مطابق ہوں ورنہ ان پر سنّت کا اطلاق نہ ہوگا اور تصادم کی صورت میں ان پر عقائد خوارج وجہمیہ اور معتزلہ ور وافض کا اطلاق ہوگا امام نے فضائلِ صحابہ کے بعد ان گمراہ فرقوں کا ذکر کرنے سے یہی تأثر دیا ہے تو اس طرح کی ترتیب سے امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے سب سے شاندار آغاز کیا ہے اور " ما انا علیہ واصحابی" کی دلچسپ اور انوکھی تشریح کی ہے۔

(ج)۔ امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اپنی سنن کو چار ہزار احادیث سے ترتیب دیا ہے جن میں امام موصوف نے پانچ ثلاثی حدیث بھی نقل کیں ہیں ان تمام ثلاثیات کا طریق یہ ہے کہ:۔

"حدثنا جبارۃ بن مغلس ثنا کثیر بن سلیم سمعت انس بن مالکؓ۔

ذیل میں ایک ثلاثی حدیث نقل کی جاتی ہے جس کو امام موصوف نے "باب الوضوء عند الطعام" میں ذکر کیا ہے۔

"من احب ان یکثر اللہ خیر البیتہ فلیتوضأ اذا حضر غداءہ، واذا رفع"

(د)۔ محدثین اور خصوصاً صحاح ستہ کے مصنفین کی زندگی کا یہ پہلو تقریباً پردۂ خفاء میں رہا ہے کہ یہ ائمہ متبوعین میں سے کس کے مقلد ہیں نہ ہی انھوں نے اپنے مسلک و مذہب کی وضاحت کی اور نہ ہی صراحتاً کسی امام کی تردید وتکذیب کی جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ موصوف فلاں کے دائرہ اتباع سے خارج اور فلاں کے زمرہ متبوعین میں داخل ہیں شارحین حدیث وسوانح نگاروں نے ان کے رجحانات ومیلانات اور اشارات کو دیکھتے ہوئے اپنے اپنے ذوق و طبیعت کے مطابق کچھ رائیں قائم کیں ہیں جن میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی ہونے کا ذکر ہے لیکن بالیقین حتمی فیصلہ مشکل ہے کیونکہ ہر ایک کے بارے میں متعدد ومختلف اقوال نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ محدثین فقہاء کی بڑی اکثریت فقہاء محدثین کی مقلد نہیں ہے بلکہ وہ خود مجتہد ہے اور ان کے اجتہاد کا دائرہ ان کی ذات اور ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہے مذاہب اربعہ کی طرح نہ انھیں فروغ ملا اور نہ ہی ان کا مسلک عوامی زندگی میں رائج ہوا اس تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے ابن ماجہ علیہ الرحمہ کے بارے میں چند اقوال ملاحظہ کیجئے۔

(۱)۔ علامہ طاہر الجزائری فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہؒ علماء حجاز امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق علیہم الرحمہ کے مقلد نہیں بلکہ ان سے متاثر ہیں ورنہ فی الحقیقت تو وہ خود مجتہد ہیں۔

(۲)۔ ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو شاید امام ابن ماجہؒ کا جھکاؤ ابن حنبل کی جانب زیادہ محسوس ہوا تو انھوں نے ان کے حنبلی ہونے کا اظہارِ خیال کیا۔

(۳)۔ اس کے برعکس امام العصر ابن حجر ہند علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کی رائے یہ ہے کہ امام ابن ماجہ غالباً شافعی ہیں۔

ان اقوال کے علاوہ علماء شافعیہ سے شافعی حنبلیہ سے حنبلی ہونا نہایت زور دار طریقہ پر بھی منقول ہے۔

سوال ۳

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَخُذُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَانْتَهُوْا۔

(الف)۔ حدیث شریف کا معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ مذکورہ حدیث میں فرمانِ نبوی ﷺ پر اکتفاد کرنے کا ایماء اور مزید تفتیش کی قباحت معلوم ہوتی ہے حالانکہ سوال کی ممانعت " فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون" اور حدیث "حُسْنُ السوال نصف العلم" کے عقلاً ونقلاً معارض ہے آپ بالدلیل تعارض کو رفع کیجئے۔

(ج)۔ مندرجہ بالا حدیث میں صرف "ما امرتکم" کیساتھ "ما استطعتم" کی قید کیوں لگائی گئی وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۳

(الف)۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو تنبیہ کرتے ہوئے) فرمایا میں نے جس چیز کو چھوڑ دیا تم بھی اس کو چھوڑ دو (اور اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرو اور جب ایک چیز کو مطلق بیان کروں تو اس کی قیود وشرائط کے بارے میں تفتیش نہ کرو) اسلئے کہ تم سے پہلی امتیں اپنے اسی (غیر ضروری) قسم کے سوالات اور اپنے انبیاء (کے مراتب واسوہ) کے بارے میں جھگڑنے ہی کی بنیاد پر ہلاک ہوگئیں (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گائے کے اوصاف اور بلاوجہ کی شرائط کی تفتیش کرکے اپنے نبی کو بھی تکلیف دی اور خود بھی پریشانی میں مبتلا ہوئے) تو جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے پکڑو (اور حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کرو) اور جب میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو اس سے باز رہو (اور امم سابقہ

کی طرح اس منکر کی علت نہی و نفی کے بارے میں استفسار نہ کرو)۔

(ب)۔ حدیث باب سے مطلق سوال کی نہیں بلکہ قیل وقال لایعنی کھود کرید اور لغو تفتیش کی شناعت وقباحت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے امیر معاویہ کو خط لکھتے ہوئے اسی عادت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے کہ "انہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کان ینہی عن قیل و قال وکثرۃ السوال"[1] اس کے بعد محشی بخاری فرماتے "ای فنہی عن المسائل التی لاحاجۃ الیہا"۔ نیز مشہور حدیث "ان اعظم المسلمین جرمًا من سأل عن امر لم یحرم فحرم علی الناس من اجل مسئلتہ"۔ کا مصداق بھی یہی قیل وقال اور لایعنی سوالات ہیں[2]۔ امام طیبیؒ بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہذا (التغلیظ) فی حق من سأل عبثاً وتکلفاً فیما لاحاجۃ بہ" آگے "فاسئلوا اھل الذکر" کے تعارض کو اس طرح ختم کرتے ہیں "دون من یسأل سوال حاجۃ فانہ یثاب"[3]

محشی ابو داؤد "السوال نصف العلم" کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کے تصادم کو اس طرح ختم کرتے ہیں "واما من یسأل لاستبانۃ حکم واجب او مندوب او مباح قلخفی علیہ فلا یدخل فی ہذا الوعید"[4]۔

امام بغوی نے بھی شرح السنۃ میں یہ تصریح کی ہے کہ جو سوالات بطور تعلم ضروری ہوں تو فاسئلوا اھل الذکر کی رو سے ان کا پوچھنا واجب ہے لیکن جو سوالات محض کھود و کرید اور ذہنی ورزش کے طور پر کئے جائیں حدیث باب میں انھیں کی ممانعت ہے[5]۔

امام کرمانیؒ ایسے سوالات کی ممانعت کی علت یوں بیان کرتے ہیں "السوال عن الشئ بحیث یصیر سبباً لتحریم شئ من المباح وہو اعظم الجرائم لانہ صار سبباً لتضییق الامر علی جمیع المسلمین"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مقصد کی وضاحت کیلئے ترجمۃ الباب "باب مایکرہ من کثرۃ السوال وتکلف مالایعنیہ وقولہ تعالیٰ لاتسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم" قائم کیا ہے لہٰذا یہ حدیث ایسے ہی سوالات کی قباحت بیان کرتی ہے جب کہ

[1] بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۸۳ [2] بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۸۳ وابو داؤد جلد ثانی صفحہ ۲۹۶ [3] دیکھئے ترمذی جلد ثانی صفحہ ۹۶ کا حاشیہ (۹) [4] ابو داؤد جلد ثانی صفحہ ۲۹۶ کا حاشیہ (۱) [5] بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۸۲ وکشف الحاجہ صفحہ ۳۴ نیز دیکھئے "تنظیم الاشتات" جلد چہارم صفحہ ۲۱۲۔

ضروری سوالات تو صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں کلالہ، انفال، شہر حرام، اہلہ، محیض کے سوالات کا ذکر ہے اور ذیلی حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ضروری سوالات باعث ثواب بھی ہیں "العلم خزائن ومفاتیحہا السوال الا فاسئلوا فانہ یؤجر فیہ اربعۃ السائل والعالم والمستمع والمحب لہم" ہماری اس تشریح سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث باب اور "فاسئلوا اھل الذکر" نیز "حسن السوال نصف العلم" میں عقلاً ونقلاً کوئی تعارض نہیں۔

(ج)۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے مولانا ساجد صاحب علامہ سیوطیؒ کے قول کی تشریح اس طرح کرتے ہیں "منہیات سے اجتناب بہ نسبت اتیان مامورات کے سہل ہے اس لئے امر تکم کو استطاعت سے مقید کیا گیا وضاحت اس کی یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کیلئے نفس صلاحیت کے علاوہ ایک اور قوت درکار ہوتی ہے یعنی علی الفعل اور فاعلۃ للفعل اور چھوڑنے کیلئے محض فقدان صلاحیت بھی کافی ہوتی ہے" اسی لئے نہیتکم کیساتھ استطاعت کی قید نہیں لگائی گئی"۔

سوال ۴

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضؓ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَقْرَ وَنَتَخَوَّفُهُ فَقَالَ الْفَقْرَ تَخَافُوْنَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتُصَبَّنَّ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا صَبًّا حَتّٰى لَا يَزِيْغَ قَلْبَ أَحَدِكُمْ إِزَاغَةً إِلَّا هِيَهْ، وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ" قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رضؓ صَدَقَ وَاللّٰهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَنَا وَاللّٰهِ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ جب صحابہ کرام رضؓ حدیث "کاد الفقران یکون کفراً" کے پیش نظر فقر وفاقہ سے ڈر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کثرت مال سے کیوں ڈرایا؟

(ج)۔ "وایم اللہ لقد ترکتکم الخ" کا ماقبل سے ربط بیان کرنے کے بعد "لیلہا ونہارہا" کے مراجع اور "مثل البیضاء" کا مصداق معین کیجئے۔

ترجمۃ الباب "باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے حدیث کی مناسبت ظاہر کیجئے۔

جواب سوال ۴

(الف)۔ اعراب کیلئے صفحہ ۱۰ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (ایسی حالت میں) تشریف لائے کہ ہم فقر وفاقہ کا تذکرہ کر رہے تھے اور (فقر سے) ہمارے قلوب سہم رہے تھے (ہماری حالت کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فقر وفاقہ سے ڈر رہے ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے (عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ) تم پر دنیا کی ایسی ریل پیل ہوگی (اور جاہ وثروت سے تم کو اتنا نوازا جائے گا) کہ دنیا کے علاوہ تمہارے دل کو کوئی چیز مائل نہیں کرسکے گی (یعنی دنیاوی و مادی منفعت کے بغیر کوئی کام نہ کرسکوگے) اللہ کی قسم میں نے تم کو ایک روشن (دینی واسلامی) ماحول میں چھوڑا ہے جس کے رات اور دن بالکل برابر ہیں (جس طرح دن کے اجالے میں کوئی ظلم نہیں ہوتا اسی طرح رات کے اندھیروں میں تمام انسان مامون رہتے ہیں) حضرت ابوالدرداء (اظہار تشکر کے طور پر) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا واقعی آپ نے ہمیں ایسے ماحول میں چھوڑا جس (کی برکت سے اس کے) رات اور دن یکساں ہیں۔

(ب) صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ مال سے اس لئے ڈرایا کہ کثرتِ مال فقر وفاقہ سے زیادہ مضر اور اس امت کا خاص الخاص فتنہ ہے کما رواہ الترمذی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " ان لکل امۃٍ فتنۃً وفتنۃ امتی المال" نیز اس کثرتِ مال سے ڈرانے میں صحابہ کیلئے تسلی کا پہلو بھی مضمر ہے کہ تم فقر سے ڈر رہے ہو حالانکہ وہ زمانہ بہت جلد آئیگا کہ روم وایران کی حکومتیں اور دولت کے ڈھیر تمہارے قدموں میں ہوں گے تو اس وقت تمہارا فقر سے ڈرنا بیکار ہے بلکہ کثرتِ مال اور اس کے فتنوں سے ڈرو کیونکہ آئندہ تمہاری آزمائش کا یہی میدان ہے۔

ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کثرت تو ہر چیز کی بری ہوتی ہے فقر وفاقہ میں کثرت ہوجائے تو کاد الفقر ان یکون کفراً" کا اندیشہ ہے اور اگر کثرتِ مال ہوجائے تو دولت کے نشہ میں انسان خدا کو بھول جائے اور فرعون کی طرح "انا ربکم الاعلیٰ" کے جھوٹے دعوے کرنے لگے لہٰذا تم کو دونوں ہی کثرتوں سے فکرمند رہنا چاہئے تو صحابہ صرف ایک کثرت کی جانب دیکھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دوسری کثرت کی جانب بھی توجہ دلادی جو اول سے زیادہ مضر تھی۔

(ج) "وایم اللہ لقد ترکتکم الخ" کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات سے کثرتِ مال وکثرتِ فقر نیز ان کی مضرتوں ومنفعتوں سے متعلق تمام امور و احکام کی وضاحت کردی اور اپنے اصحاب کے سامنے اپنا اسوہ وماحول پیش کیا جو زہد و

قناعت، فقر وفاقہ اور دولت وثروت پر مشتمل ہے اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی ابہام و اجمال نہیں بلکہ ہر امیر وغریب، فقیر ومسکین اور معاشرہ کے ہر انسان کیلئے ایک عظیم عملی نمونہ اور مکمل راہ نمائی ہے اب جو شخص جس حالت وکیفیت میں ہو وہ امیری غریبی اور ہر کیفیت کے احکام سیرت نبوی اور عہدِ رسالت سے اخذ کرلے۔

"لیلھا ونھارھا" کی ضمائر کا مرجع "مثل البیضاء" ہے۔

"البیضاء" کے مصداق میں علماء سے دو قول مروی ہیں:۔

(۱)۔ اگر لفظ "مثل" کو بالفرض زائد تسلیم کیا جائے تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے قلوب ایمانی کی تعریف فرمائی ہے یعنی میری پیغمبرانہ تعلیم کی بدولت تمہارے قلوب میں ایمان اتنا راسخ ہوگیا ہے کہ مصائب وآلام کے پہاڑ اور خوشی کے بے قابو لمحات بھی تم کو اللہ کی جانب سے غافل نہیں کرسکتے اور تم مسرت وشادمانی، رنج وغم دونوں حالتوں میں اللہ ہی کے مطیع وفرمانبردار رہوگے۔

(۲)۔ لفظ "مثل" کو باقی رکھنے اور زائد نہ ماننے کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے دلوں کو اس زمین سے تشبیہ دی ہے جو اتنی صاف وشفاف ہے کہ دن کا اجالا اور رات کی تاریکی بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی اور وہ جھاڑ جھنڈ سے بالکل صاف اور ہر طرح کے نشیب وفراز سے بھی بالکل پاک ہوتی ہے اور دن رات دونوں میں برابر چمکتی اور دمکتی رہتی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ ارضِ بیضاء سے قلوب کو نہیں بلکہ امت کو تشبیہ دی گئی ہے تو اب مطلب یہ ہوا کہ ملتِ اسلامیہ کی فطری اور سیدھی سادی تعلیمات پر عمل کرنا اتنا ہی آسان و سہل ہے جتنا کہ ارض بیضاء پر دن رات میں کسی وقت بھی چلنا۔

سیاق وسباق کے لحاظ سے علامہ سندھی کی رائے زیادہ راجح اور قرین قیاس ہے۔

(د)۔ امام ابن ماجہؒ اس حدیث کو باب اتباع سنت کے تحت لائے ہیں حدیث اور ترجمہ میں مطابقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت امیری نہیں فقیری ہے اور امت کی عافیت وسلامتی بھی اس میں ہے کہ اس میں اپنے نبی کے طریق کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے زہد وقناعت اختیار کرے اور کثرتِ مال کے فتنوں سے دور رہے۔

نیز یہ بھی امام ابن ماجہ نے اشارہ کیا ہے کہ جب امت اتباع رسول اور پیروی سنت چھوڑ دے گی تو وہ فقر وفاقہ کو حقیر سمجھے گی اور مال کی ہوس نیز کثرتِ ثروت کے فتنوں کا شکار ہوجائے گی۔

نیز امام ابن ماجہؒ یہ تاثر بھی دینا چاہتے ہیں کہ صاف اور واضح شاہراہ اتباع سنت ہے، اور

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور سنت سے انحراف یقیناً تباہی کا پیش خیمہ ہے اسلئے امت کو فلاح و کامیابی حاصل کرنے کیلئے سنت کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ یہی صراط مستقیم ہے۔

سوال ۵ :- عن معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَزَالُ طَائِفَۃٌ مِن اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ لَایَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ حتی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ "طائفۃ" کی تنوین میں جو احتمالات و اقوال ہیں انھیں بیان کرنے کے بعد بتائیے اہل علم کے نزدیک طائفہ سے کون لوگ مراد ہیں؟

(ج)۔ حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت قیامت تک رہے گی جب کہ دوسری حدیث میں آتا ہے "لاتقوم الساعۃ الا علی شرار الخلق"، دونوں حدیثوں کا تعارض رفع کیجئے۔

جواب سوال ۵ :- (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو ص۱۸!

حضرت قرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں نصرت (خداوندی) سے مؤید ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی (اس کے اتباع سنت خلوص للہیت اور غیبی مدد کی بنا پر یہ شان ہوگی کہ) اس جماعت کے افراد (صالحین سے گریز کرنیوالے لوگ (انکی ذلت وحقارت کے خواہاں نیز مخالفین حق) انھیں قیامت تک کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

(ب)۔ "طائفۃ" کی تنوین میں تقلیل و تکثیر اور تعظیم تینوں معنی کا احتمال ہے شراح حدیث میں سے بعض نے تقلیل کو بعض نے تکثیر کو اور بعض نے تعظیم کے معنی کو ترجیح دی ہے تقلیل کی صورت میں معنی یہ ہوں گے یہ لوگ شرذمۃ قلیلہ کا حقیقی مصداق ہوں گے اور تکثیر کی صورت میں مطلب یہ ہوگا یہ جماعت انسانیت کا عطر و جوہر ملت کا دماغ اور نسل انسانیت کا مکھن اور اسکی روح ہوگی جس کے سامنے حقیقت سے عاری بڑی بڑی قومیں اور زبردست طاقتیں بھی ٹک نہ سکیں گی اور تعظیم کے معنی یہ ہوں گے یہ جماعت نہایت اعلیٰ وارفع مراتب پر فائز ہوگی اور اس کی شان ہی نرالی ہوگی۔

ان تینوں معنی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے بجائے بیک وقت تینوں معنی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے اب معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ نہایت قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود دنیاوی واخروی لحاظ سے اتنے باعظمت و ذی رفعت ہوں گے کہ ہزاروں انسان بھی کسی بھی پہلو سے

ان کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔

"طائفۃ" کا مصداق معین کرنے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حضرت علامہ عثمانی کے بقول ہر مکتب فکر نے اپنے ذوق و مزاج کے مطابق اس کا مصداق معین بیان کیا ہے ذیل میں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ھم اھل العلم"[۱]

(۲)۔ امام ترمذی علی بن مدینی کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

"سمعت محمد بن اسمعیل ھو البخاری ویقول سمعت علی بن المدینی یقول ھم اھل الحدیث[۲]۔

(۳)۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم"[۳]

(۴)۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل کے قول کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں "انما اراد احمد اھل السنۃ والجماعۃ ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث"[۴]

(۵)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "طائفۃ" کے مصداق کو مزید بسیط انداز میں یوں بیان فرمایا ہے "قلت ویحتمل ان ھذہ الطائفۃ مفرقۃ بین انواع المؤمنین منھم شجعان مقاتلون ومنھم فقہاء ومنھم محدثون ومنھم زھاد وآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر"[۵]

(۶)۔ ابن حجر ہند علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عالی یہ ہے کہ "طائفۃ" سے مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں کیونکہ حدیث کے دوسرے طرق میں "یقاتلون علی الحق" کی تصریح موجود ہے[۶]

(۷)۔ اس باب کے تحت حدیث لاکر امام نے یہ اشارہ کیا ہے کہ "طائفہ" سے متبعین سنت کی جماعت مراد ہے[۷]

(ج)۔ حدیث باب اور "لاتقوم الساعۃ الا علی شرار الخلق" میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً کوئی تعارض نہیں اسلئے کہ یہ جماعت اس وقت تک رہے گی جب کہ خداوند قدوس عمدہ ہوا بھیج کر مؤمنین کی ارواح کو قبض کرلیں گے۔ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان ھذہ الطائفۃ تبقی الی علی مجئ الریح التی تقبض روح کل مؤمن ثم

---

[۱] بخاری جلد ثانی ص۱۰۸۵ [۲] دیکھئے بخاری جلد ثانی ص۱۰۸۵ کا حاشیہ (۸) [۳] مسلم شریف جلد ثانی ص۱۴۳ [۴] مسلم شریف جلد ثانی ص۱۴۳ [۵] مسلم شریف جلد ثانی ص۱۴۳ شرح نووی [۶] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو فتح الباری للعسقلانی جلد اول ص۲۱، انوار الباری للشیخ البجنوری جلد سوم ص۸۲ مطبوعہ بجنور، ایضاح البخاری للمرادآبادی الجزء الخامس ص۵۷، ۵۸، فتح الملہم للعثمانی جلد اول ص۳۰، مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد ۵ ص۲۲۳ مطبوعہ بمبئی، درس بخاری للعثمانی ص۲۴۵ [۷] دیکھئے فیض الباری اول ص۱۷۱

یبقی شرار الخلق علیھم تقوم الساعة"

اس توجیہ کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں "تقوم الساعة" کے بجائے "حتی یاتی امر اللہ" کے الفاظ آئے ہیں جس سے ہوا کی بلا تکلف تاویل کی جاسکتی ہے نیز ابن ماجہ ہی کی دوسری حدیث میں بھی حضرت ثوبان رضؓ سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں۔

سوال ۶:۔ عَن اَبِی عِنَبَةَ الخَولَانِی رضؓ قَالَ سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم یَقُولُ لَایَزَالُ اللّٰہُ یَغرِسُ فِی ھٰذَا الدِّینِ غرسًا یستعملھم فِی طَاعَتِہ۔

(الف)۔ اتباع سنت پر مختصر مگر جامع مضمون تحریر فرمائیے۔

(ب)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ج)۔ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس روایت سے کیسے ثابت ہوگا، وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۶:۔ (الف)۔ اتباع سنت کے موضوع پر ہم نے "احسن الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مضمون صـ۵۸ پر نقل کیا اس کا مطالعہ کیجئے اور درج ذیل دلائل سے اسے خود مدلل کیجئے۔

۱۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔

۲۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

۳۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔

۴۔ ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا۔

۵۔ لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

۶۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ۔

(ابن ملجہ)

(ب)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو صـ۲۰

ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ مسلسل اس دین میں (دین حق کی حامل امت میں) ایسی پود لگاتا رہے گا (اور نسل در نسل متبعین شریعت کی ایک مخلص جماعت کو پیدا کرتا رہے گا) جس کو وہ اپنی اطاعت (و فرمانبرداری) میں استعمال کرے گا (اور یہ جماعت برابر قرآن و سنت پر عمل پیرا رہے گی)۔

(ج)۔ مذکورہ حدیث شریف کو ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے "باب اتباع سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت اسلئے ذکر کیا کہ اطاعت باری تعالیٰ مشروط اور اس کی ادائیگی کیلئے اتباع سنت لازمی شرط ہے اور کوئی بھی جماعت اللہ کی اطاعت کا فریضہ جب ہی انجام دے

سکے گی جب کہ وہ اتباع سنت اور اطاعتِ رسول کی تمام منازل طے کرچکی ہو، آیات قرآنی "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی، من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" وغیرہ اس حکمت پر صریح دلالت کررہی ہیں نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ "من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ" لہٰذا اس بات پر تمام متقدمین و متاخرین فقہاء اور محدثین و مفسرین وعلماء حق متفق ہیں کہ اطاعتِ خداوندی کیلئے اتباع سنت لازمی اور اولین شرط ہے اور اس کے بغیر اطاعتِ خداوندی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا تو اللہ تعالیٰ اس جماعت کو اتباع سنت کی توفیق مرحمت فرما کر اپنی اطاعت میں استعمال فرمائیں گے [۱]

سوال ۷:۔ عَن جَابِر رضؓ قَالَ کُنَّا عِندَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم فَخَطَّ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّینِ عَن یَمِینِہ وَخَطَّ خَطَّینِ عَن یَسَارِہ ثُمَّ وَضَعَ یَدَہٗ فِی الخَطِّ الاَوسَطِ فَقَالَ ھٰذَا سَبِیلُ اللّٰہِ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الاٰیَۃَ " وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِی مُستَقِیمًا فَاتَّبِعُوہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُم عَن سَبِیلِہ"

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر کرتے ہوئے اس کا مقصد بیان کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "ان اختلاف امتی رحمة" کا اس آیت کریمہ سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے آپ تعارض کو رفع کیجئے۔

(د)۔ مسلمانوں کا ہر فرقہ صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویدار ہے آپ صراط مستقیم کو متعین کرنیکے بعد بتائیے کہ اس معیار پر کونسا فرقہ پورا اترتا ہے؟

جواب سوال ۷:۔

(الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو درج بالا حدیث۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہمیں راہ راست سمجھانے کیلئے) ایک لکیر کھینچی پھر دو لکیریں اپنی دائیں جانب اور دو لکیریں اپنی بائیں جانب کھینچیں پھر (صراط مستقیم کی وضاحت کرتے

[۱] قرآن و حدیث اور اطاعت باری تعالیٰ و اتباع سنت میں کیا ربط اور آپس میں کیا تعلق ہے اور ایک دوسرے کو جدا کرنیکی صورت میں اسلام کا کیا وزن رہ جائیگا یہ جاننے کیلئے ایک عربی عالم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی معرکۃ الآراء کتاب "السنة ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" اور سعودی عرب میں رابطہ کے اجلاس میں پڑھا گیا حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کا مقالہ اسلامی ماحول و مزاج کی تشکیل میں حدیث کا بنیادی کردار کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔۔

ہوئے) اپنا ہاتھ درمیانی لکیر پر رکھا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے (اس کے علاوہ ارد گرد
کی لکیریں افراط و تفریط کی شیطانی راہیں ہیں) پھر آپ نے (مسئلہ کو مزید مشرح کرنے کیلئے)
یہ آیت تلاوت فرمائی" وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق
بکم عن سبیلہ "[1]

(ب)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اس روایت کو" باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم" کے تحت یوں ذکر کیا کہ اتباع سنت ہی صراط مستقیم ہے اور وہی جماعت اس پر
گامزن ہو سکتی ہے جو سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
حجۃ الوداع کے موقع پر اس طرح بیان کیا" وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم فلن تضلوا
ابدا امرا بینا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ" تو حدیث و باب میں گہرا ربط و تعلق موجود ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ یہ دین اپنی تعلیمات و عقائد، منہیات و اوامر کے لحاظ سے
ایک واضح فطری اور معتدل دین ہے اس میں تم کو جن عقائد کی تلقین کی گئی انکو اپنے قلب و دماغ
میں اتار لو جن فرائض و ارکان سے مامور کیا گیا ان کو بغیر عقل و دماغ سے پرکھے بجالاؤ اور "سمعنا
واطعنا" کا مصداق بننے کی پوری کوشش کرو اور ان تمام امور میں اعتدال اور وسط کو
اپنا طرہ امتیاز بنا لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ خیر الامت وسط کا لقب دیا" وکذلک
جعلنکم امۃ وسطا" تو حدیث باب میں خط وسط سے آپ نے معتدل شاہراہ اور
صراط مستقیم کی وضاحت فرمائی اور دائیں بائیں جانب کی لکیروں سے افراط و تفریط اور غلو
کی وضاحت فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ افراط و تفریط اور غلو جس فرقہ جس ملت اور جس امت میں پیدا ہو جائے تو
اس کا صراط مستقیم اور معتدل شاہراہ پر قائم رہنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے جیسا کہ جبریہ نے
افراط سے کام لیتے ہوئے جب مسئلہ قدر میں غلو کیا تو بندہ کو مجبور محض قرار دیدیا اس کے برخلاف
قدریہ نے اس مسئلہ میں جب قیاس و عقل کے گھوڑے دوڑائے تو اپنی کم سمجھی کی بناء پر قدر ہی
کا انکار کر بیٹھے اس طرح شیعہ خوارج معتزلہ وغیرہ کے تمام باطل عقائد اسی افراط و تفریط
اور غلو کا نتیجہ ہیں لہٰذا صحیح روش وہی ہے کہ اتباع سنت اتباع صحابہ اور اتباع سلف صالحین
کو ہی اپنا طرہ امتیاز بنایا جائے اور ایسی تمام جماعتوں تمام فرقوں سے بالکلیہ اجتناب کیا جاوے
جو افراط و تفریط کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں۔

[1] اس حدیث کی تشریح کیلئے دیکھئے" التعلیق الصبیح للکاندھلوی جلد اول ص۱۲۵، مرقاۃ المفاتیح جلد
اول ص۲۰۱، شرح السنہ جلد اول ص۱۹۶۔ ۱۲۔

(ج)۔ (۱)۔ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم من سبیلہ۔
(۲)۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔
(۳)۔ ولا یزالون مختلفین۔

مندرجہ بالا آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات اور حدیث" اختلاف امتی رحمۃ" کے
الگ الگ محل متعین ہیں ان آیات سے اس اختلاف کی حرمت و قباحت و شناعت ثابت ہوتی ہے
جو تقاضۂ نفس اور اتباع ہوس کی خاطر کلیات و اصولیات دین میں کیا جائے اور رضاء و اطاعت
باری تعالیٰ کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو جب کہ" اختلاف امتی رحمۃ" سے وہ اختلاف مراد ہے
جو محدثین و مفسرین فقہاء و مجتہدین اور علماء حق کے درمیان رونما ہوا اور ہر ایک کا مقصد
سبب حلت و حرمت کی دریافت اور علت جواز و عدم جواز کی تلاش اور ہر ایک کا مطمح نظر
رضاء الٰہی اور یسر فی الدین پیدا کرنا ہے اور یہ اختلاف محض جزوی و فروعی مسائل تک محدود
ہو اصولیات و کلیات سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو تو یہی اختلاف دین میں محبوب و رباعث رحمت
ہے حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ آیت اور حدیث کے اس تعارض کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ اختلاف جس کو قرآن میں عذاب الٰہی اور رحمت خداوندی سے محروم فرمایا گیا
ہے وہ ہے جو اصول و عقائد میں ہو یا نفسانی اغراض و اہواء کی وجہ سے ہو اس
میں وہ اختلاف رائے داخل نہیں جو قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصول اجتہاد کے
ماتحت فروعی مسائل میں فقہاء امت کے اندر قرن اول سے صحابہ و تابعین میں ہوتا چلا
آرہا ہے جسمیں فریقین کی حجت قرآن و سنت اور اجماع ہے اور ہر ایک کی نیت قرآن
و سنت کے احکام کی تعمیل ہے مگر قرآن و سنت کے مجمل یا مبہم الفاظ کی تعبیر اور ان سے
جزوی و فروعی مسائل کے استخراج میں اجتہاد اور رائے کا اختلاف ہے، ایسے ہی اختلاف
کو ایک حدیث میں رحمت فرمایا گیا ہے جامع صغیر میں بحوالہ نصر مقدسی و بیہقی و امام الحرمین
یہ روایت نقل کی ہے کہ" اختلاف امتی رحمۃ"

ہماری اوپر کی توضیح و تشریح سے یہ بات صاف واضح ہو گئی کہ حدیث باب کی آیت اور" اختلاف امتی رحمۃ"
میں عقلاً و نقلاً کسی قسم کا کوئی تعارض موجود نہیں اور دونوں کے الگ الگ محل متعین ہیں[1]

[1] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد سوم ص۴۹۱-۹۵ نیز ص۳۶۳

(د) - صراط مستقیم کی وضاحت اور اس کی تعیین کے سلسلے میں یہ حدیث نقل کر دینی کافی ہے :-

"عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الاملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی"

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ بہتر فرقے وجود میں آگئے اور ان کے اصل اصول یہ چھ فرقے ہیں[1]

(۱) شیعہ (۲) معتزلہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) جبریہ (۶) مشبہہ -

شیعہ کے بتیس، خوارج کے پندرہ، معتزلہ کے بارہ، مرجیہ کے پانچ، جبریہ کے تین اور مشبہہ کے پانچ فرقے ہیں۔ اس طرح فرق باطلہ کی تعداد بہتر ہوئی اب سب سے آخری فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہے -

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے معیار "ما انا علیه واصحابی" کی رو سے دیکھ لیا جائے کہ کون سا فرقہ حق پر ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہے ... کا دعوی کس فرقہ کا صحیح ہے -

شیعوں کے اصل الاصول عقائد یہ ہیں :-

(۱) امامت معصومہ (۲) تقیہ (۳) متعہ (۴) انکار مسح علی الخفین (۵) رجعت (۶) تحریف قرآن (۷) تکفیر صحابہ -

ان عقائد کی موجودگی میں شیعوں کا صراط مستقیم پر قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو سراسر اسلام وایمان اور نبوت محمدی کے حریف ہیں[2]

معتزلہ کے عقائد قرآن کا مخلوق ہونا، بندوں کا اپنے افعال کا خود خالق ہونا نیز رویت باری تعالی مقتول میت حرام رزق، عذاب قبر سوال منکر نکیر، میزان حوض کوثر، صراط، شفاعت نبوت آدم

[1] تفصیل کیلئے دیکھیے: الفصل لابن حزم، الملل والنحل للشہرستانی، العقیدۃ الواسطیہ لابن تیمیہ، الفرق الاسلامیہ للبشبیشی، تاریخ المذاہب الاسلامیہ للشیخ ابی زہرہ، البدایہ والنہایہ [2] عقائد شیعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو منہاج السنہ لابن تیمیہ، کتاب الشفاء للقاضی، غنیۃ الطالبین ص ۱۵۶، ۱۵۷، تحفہ اثنا عشریہ للدہلوی، تنبیہ الحائرین للفاروقی، آیات بینات لمحسن ملک، ہدایت الشیعہ للگنگوہی، ہدیۃ الشیعہ للنانوتوی، ہدایات الرشید للسہارنفوری، نیز حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" اور انھیں کا استفتاء اور حضرت محدث اعظم کے فتویٰ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

اور کرامات اولیاء وغیرہ کے انکار کی موجودگی کی صورت میں ان کا صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعوی سراسر باطل ہے کیونکہ یہ تمام باطل خیالات عہد رسالت وعہد صحابہ میں ناپید ہیں اب خوارج کے عقائد پر ایک نظر ڈالئے تو وہ مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیتے ہیں حضرت علی وامیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے حامی تمام صحابہ وتابعین کو کافر گردانتے ہیں اپنے مخالف مذہب کا خون ان کے نزدیک حلال اور اس کی شہادت مردود ہے اس کے علاوہ شیعہ اور معتزلہ کے اکثر عقائد باطلہ میں خوارج بھی انکے برابر کے شریک ہیں لہذا ما انا علیه واصحابی کا ان سے بھی کوئی تعلق نہیں انکا دعوی حق بھی اوہام باطلہ پر مبنی ہے[1]

اب رہے مرجیہ تو وہ اعمال صالحہ کی افادیت کے منکر ہیں اور جبریہ بندہ کو مجبور محض مانتے ہیں اسی طرح مشبہہ باری تعالی کیلئے تشبیہ کے قائل ہیں لہذا ان مذکورہ فرقوں کا بھی صراط مستقیم سے کوئی تعلق نہیں اور مذکورہ تمام فرق باطلہ کا دعوی حق سراسر بطلان واوہام پر مبنی ہے اس صراط مستقیم پر کون سا فرقہ گامزن ہے، اسکے بارے میں حضرت علامہ بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"خلاصہ یہ کہ ظاہر یہی ہے کہ اس فرقہ (فرقہ ناجیہ) سے وہی فرقہ مراد ہے جس نے سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہے بدعت سے وہ ہمیشہ دور اور نفور رہا اس کے اعتقاد و عمل کے دونوں بازو درست ہیں یہی فرقہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا اور لفظ "ما انا علیه واصحابی" بھی زیادہ تر اسی پر چسپاں ہوتا ہے"[2]

اب ظاہر ہے کہ اس فرقہ ناجیہ سے صرف اہل سنت والجماعت ہی کا فرقہ مراد ہے کیونکہ ایمان و اعمال وعقائد میں وہ صحابہ کے نقش قدم پر ہے نیز قرآن، حوض کوثر، میزان، صراط، شفاعت، نبوت آدم، کرامات اولیاء، مسح علی الخفین، متعہ اور اس جیسے تمام مسائل میں اہل سنت والجماعت حضرات صحابہ کیساتھ ساتھ ہیں نیز مذکورہ عقائد کا عہد رسالت وعہد صحابہ میں جو تصور اور جو تخیل پایا جاتا ہے اہل سنت والجماعت پورے طور پر اسی کے پابند ہیں اور کسی بھی مسئلہ میں انھوں نے صحابہ سے خروج نہیں کیا لہذا حقیقت یہ ہے کہ "ما انا علیه واصحابی" اور "الاملة واحدة" کا یہی فرقہ مصداق ہے - صراط مستقیم پر گامزن ہونیکا دعوی بھی اسی جماعت کا ٹھوس دلائل اور روشن براہین پر مبنی ہے اسلئے مذکورہ تشریح کی روشنی میں یہی فرقہ اس معیار پر پورا اترتا ہے[3]

[1] معتزلہ کے عقائد کیلئے دیکھیے "شرح عقائد" [2] ترجمان السنہ جلد اول ص ... [3] "ما انا علیه واصحابی" کی تفصیل کیلئے دیکھیے ترجمان السنہ للمیرٹھی ص ۷۹ جلد اول - اس کے علاوہ دیکھیے اختلاف امت اور صراط مستقیم - دین و شریعت -

سوال ۸: عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ أنہ کان جالسا إلی جنبہ ابن أخ لہ فخذف فنہاہ وقال إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عنہا وقال إنہا لا تصید صیدا ولا تنکی عدوا وإنہا تکسر السن وتفقأ العین قال فعاد ابن أخیہ یخذف فقال أحدثک أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہا عنہا ثم عدت تخذف لا أکلمک أبدا۔

(الف) - اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) - حدیث باب کی ترجمۃ الباب "باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے کیا مناسبت ہے؟ بیان کیجئے!

(ج) - "لا اکلمک ابدا" صحابی کا یہ جملہ حدیث "لا یحل لمسلم ان یہجر اخاہ فوق ثلث لیال" کی روسے غیر درست معلوم ہوتا ہے آپ اس کی توجیہ بیان کیجئے۔

جواب سوال ۸: (الف) - اعراب کیلئے ملاحظہ ہو درج بالا حدیث۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عبد اللہ بن مغفل رض کا بھتیجا انکے برابر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس نے (کنکر) اٹھا کر پھینکا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور (ناصحانہ انداز میں) فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے (لغو اور فضول) کاموں سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی حکمت یہ) بیان کی ہے کہ یہ (حقیر اور معمولی کنکر) نہ تو شکار مار سکتا ہے اور نہ ہی (وہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ دشمن کو کوئی گزند پہنچا سکے (ہاں البتہ) اس سے (نقصان) تو ہوسکتا ہے کہ وہ کسی (آنے جانے والے) کا دانت توڑ دے اور کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالے سعید بن جبیر (متعجب ہو کر) فرماتے ہیں کہ (اتنا سمجھانے کے باوجود بھی) ان کے (کم سن) بھتیجے نے پھر وہی حرکت کی اور (دوبارہ کنکر پھینکنے لگا) یہ دیکھ کر عبد اللہ بن مغفل غصہ سے بے قابو ہوگئے اور) انھوں نے کہا کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں کہ آپ نے اس طرح کے لغو اور لاحاصل کاموں سے منع فرمایا ہے اور (تو بجائے اس کے) دوبارہ کنکر پھینکنے لگا (خدا کی قسم) میں تجھ سے کبھی نہیں بولوں گا۔

(ب) - حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اس روایت کو "باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت اسلئے لائے کہ تعظیم حدیث کا یہ تقاضا ہے کہ ایک مسلمان شوق ورغبت سے حدیث سنے اور اس کے احترام میں اپنے تمام لغو اور فضول کاموں سے دستبردار ہوجائے حضرت عبد اللہ بن مغفل اپنے بھتیجے پر اسی لئے اتنے خفا ہوئے کیونکہ اس کا یہ عمل اور یہ رد یہ تعظیم حدیث کے منافی تھا تو ان کے قول "احدثک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عنہا ثم عدت تخذف" میں ہی ترجمۃ الباب موجود ہے۔

(ج) - حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ بظاہر حدیث "لا یحل لمسلم ان یہجر اخاہ فوق ثلث لیال"[1] سے معارض ہے کیونکہ حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کی اسلام اجازت نہیں دیتا جب کہ یہاں صحابی مذکور ہمیشہ نہ بولنے کا عہد کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اصولوں میں کوئی معارضہ نہیں اور صحابی کا یہ عمل حدیث کے زمرہ میں نہیں آتا کیوں کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق اس وقت ہی حرام ہوگا جب کہ اس کی کدورت وعداوت کی وجہ کوئی دنیاوی سبب ہو جبکہ یہاں ایک امر دینی کی وجہ سے صحابی تادیبا قطع تعلق کر رہے ہیں جو اسلام کی نگاہ میں نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحسن امر ہے اور الحب للہ والبغض للہ کا صحیح مصداق ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف میں یہ ترجمۃ الباب قائم کرکے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے" باب تحریم الھجر فوق ثلثۃ ایام بلاعذر شرعی" اس سے معلوم ہوا کہ شرعی عذر کی بناء پر اس سے زیادہ قطع تعلق کی اجازت ہے۔[2]

نیز علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی امر منکر پر نکیر کیلئے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا جاسکتا ہے لہٰذا صحابی رض کے عمل پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

اب مسئلہ کی مزید تشریح کیلئے ذیل میں علماء کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

(۱) - امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں" النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجر بعض نسائہ اربعین وابن عمر رض ھجر ابنا لہ حتی مات" آگے فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ جب ہی ہے جبکہ قطع تعلق خالص اللہ کیلئے ہو قال ابوداؤد رح اذا کانت الھجرۃ الی اللہ۔[3]

---

[1] یہ روایت بخاری ومسلم وابوداؤد و ترمذی نیز ابن ماجہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔

[2] دیکھئے شرح نووی مسلم جلد ثانی صلہ ۳۱۶

[3] ملاحظہ ہو بذل المجہود جلد خامس صہ ۳۶۱ -

(۲)۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی قطع تعلق کی تخصیص کرتے ہوئے کہتے ہیں "واما ما کان من جہۃ الدین والمذھب فھجران اھل البدع والاھواء واجبۃ الی وقت ظھور [illegible] ومن خاف من مکالمۃ احدٍ وصلتہ مایفسد علیہ الدین او یدخل مضرتہ فی دنیاہ یجوز لہ مجانبتہ والبعد عنہ" صاحب سنن المصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے[1]۔

(۳)۔ ملا علی قاری رحمہ اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں "فان ھجرۃ اھل الاھواء والبدع واجبۃ علی مر الاوقات مالم یظھر منہ التوبۃ والرجوع الی الحق" اس کے بعد ملا علی قاری حضرت عائشہ وابن زبیر، غزوہ تبوک کے تین صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیویوں کے ساتھ قطع تعلق کی مثال دیتے ہیں[2]۔

(۴)۔ امام خطابی فرماتے ہیں "رخص للمسلم ان یغضب علی اخیہ ثلث لیال لقلتہ ولایجوز فوقھا الا اذا کان الہجران فی حق من حقوق اللہ تعالیٰ فیجوز فوق ذلک"[4]۔

(۵)۔ علامہ شامی اور ابن عبدالبر نے بھی صراحت کی ہے کہ تحفظ دین اور منکر پر نکیر کیلئے تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام کیا جا سکتا ہے۔

(۶)۔ شیخ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ صحابی کے اسی عمل کا بطور حجت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں " فیہ جواز الہجران من اھل المعاصی ان اصروا [illegible][6]۔

سوال نمبر ۹:۔ عَنْ عَلِیٍّ رض بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ اِذَا حَدَّثْتُکُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثًا فَظُنُّوْا بِہِ الَّذِیْ ھُوَ اَھْنَاہُ ۔ ھَدَاہُ وَ اَتْقَاہُ۔

(الف)۔ روایت بالا پر اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتایئے کہ اھناہ واھداہ واتقاہ فرمانے کا مقصد اگر یہ ہے کہ اہل زیغ وضلال کلام شارع

---

[1] بذل المجہود جلد خامس ص۲۳۶ نیز دیکھئے ابو داؤد جلد ثانی ص۳۲۲ کا حاشیہ (۱) [2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد رابع ص۱۶۷ [3] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بخاری جلد ثانی ص۸۹۷ حاشیہ (۶)، ترمذی جلد ثانی ص۱۵ بذل المجہود ط۲۳۶ فیض الباری کاشمیری جلد رابع ص۳۹۱. مرقاۃ لعلی القاری ص۲۱۶، مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی ص۴۲۸ کا حاشیہ، ماخوذ لمعات، تنظیم الاشتات جلد چہارم ص۲۱۴۔

علیہ السلام کے عموم واشتراک اور اجمال کو ابتغاء فتنہ کیلئے استعمال نہ کر سکیں تو اس مقصد کو الفاظ مذکورہ کی روشنی میں مع امثلہ مشرح فرمایئے۔

جواب سوال نمبر ۹:۔ (الف) اعراب کیلئے ملاحظہ ہو ص۲۸

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میں تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث (قولی فعلی، تقریری نیز وصفی) بیان کروں تو اس کے وہی معنی مراد لو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وتقوی وورع (نیز شان نبوت ورسالت) کے شایان شان ہو (اور اہل زیغ وضلال کی طرح اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کرو)۔

(ب)۔ اَھْنٰی، افعل کے وزن پر ھنا یہنئ ض س عافیت ومبارک ہونا یعنی بہت زیادہ مبارک معنی

اھدیٰ، ھدی یھدی ض راہنمائی کرنا بہت زیادہ اچھے معنی۔

اتقیٰ، تقی یتقی ض پرہیز کرنا بہت زیادہ محتاط معنی

(ج)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ فرق باطلہ کی طرح حدیث کے عموم واشتراک نیز اجمال سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ اور ان کے وہی معنی مراد لو جو جہاں شریعت اسلامی کی کلیات و جزئیات اور اس کے اصول وفروع کے عین مطابق ہو وہیں ان معنی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال فقاہت وذکاوت معانی واستنباط کے ذخائر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تقدس جھلکتا ہو آپ کے اقوال کے ایسے معنی مراد لینا جو شریعت اسلامی سے متصادم مزاج اسلام کے مخالف اور حکمت ودانشمندی سے خالی ہو قطعاً درست نہیں نیز اقوال رسول اللہ صلعم کے عموم واشتراک اور اجمال کے موقع پر آپکی پوری حیات مبارکہ اور تعلیمات نبوی ہی کی روشنی میں ان کے معنی کی تعیین کیجائیگی کیونکہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مطلق کو دوسری جگہ مقید ایک مشترک کو دوسری جگہ مؤول اور ایک مجمل کو دوسری جگہ مفسر بیان کیا ہے لیکن یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہر جگہ آپ اپنے قول ہی سے ان کی وضاحت فرمائیں بلکہ بسا اوقات آپ عموم واشتراک اور اجمال کو اپنے افعال اور تقریرات سے بھی مقید۔ مؤول اور مفسر فرماتے ہیں ـــــ اسلئے ان کے معنی کی تعیین کیلئے آپکی پوری حیات مبارک اور آپکی تعلیمات نبوی کا عمیق مطالعہ ضروری ہے ـــــ اب ذیل میں تینوں کی وہ مثالیں قلمبند کی جاتی ہیں جن سے گمراہ لوگوں نے وہ معنی مراد لئے جو مزاج اسلام اور دوسری نصوص صریحہ کے عین مخالف ہیں۔

عموم کی مثال:

"من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ"

اس حدیث کے عموم سے [illegible] نے یہ مطلب نکالا کہ ایمان فقط عمل باللسان ہے اس کے اقرار کے بعد

اعمال صالحہ کی منفعت اور اعمال خبیثہ کی مضرت کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسا اقرار کرنے کے بعد انسان جنت کا مستحق ہوگا چاہے عمر بھر گناہ کبیرہ اور معاصی میں ملوث رہے۔ اس کے برخلاف خوارج و معتزلہ لا ایمان۔ لیس منا۔ لا سہم فی الاسلام جیسے حدیث کے عموم سے مرتکب کبیرہ کو قطعی کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں۔

اشتراک کی مثال:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (ترمذی)۔

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نہایہ میں فرماتے ہیں کہ لغت میں مولی کے متعدد و مختلف معنی آتے ہیں ذیل میں وہ معنی نقل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) رب (۲) مالک (۳) سید (۴) منعم (۵) معتق (۶) ناصر (۷) محب (۸) تابع (۹) جار (۱۰) ابن العم (۱۱) حلیف (۱۲) عقید (۱۳) صہر (۱۴) عبد (۱۵) معتَق (۱۶) منعم علیہ[۱]

اتنے کثیر معنی پائے جانے کی بناء پر علماء حق نے پوری شریعت اسلامیہ اور اس کی کلیات و جزئیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے یہ معنی بیان کئے کہ "اگر میں کسی کو دوست بناؤں اور کسی سے محبت کروں تو علی رضہ بھی میری اتباع و محبت میں اسے دوست بنالیں گے اور اس سے محبت کریں گے دوسرا مطلب یہ ہے کہ "جو مجھے دوست بنائیگا علی رضہ اسے دوست بنائیں گے" تو اس طرح یہ لفظ دوست اور حلیف کے معنی کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا۔ لیکن شیعوں نے اپنی موروثی خباثت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے اشتراک کو فتنہ کے طور پر استعمال کیا اور یہ معنی بیان کئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن امور میں تصرف کا حق ہے علی بھی ان میں تصرف کے برابر مستحق ہیں اور امور مسلمین اسی تصرف کے تحت آتے ہیں لہٰذا وہ ہی ان کے بلا فصل امام ہوئے اس طرح انھوں نے مالک، سید، رب کے معنی کیساتھ ترجمہ کیا جو قطعاً ایک بہتان ہے[۲]۔

۱؎ دیکھئے تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری جلد رابع صفحہ ۳۲۶ ۲؎ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ترمذی جلد ثانی صفحہ ۲۱۳ مشکوۃ المصابیح جلد ثانی صفحہ ۵۶۵ نیز مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد ۵ صفحہ ۵۶۸، تحفۃ الاحوذی جلد رابع صفحہ ۳۲۶ اور اس حدیث کے طرق کیلئے دیکھئے فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی جلد ہفتم صفحہ ۶۱۔

اجمال کی مثال:۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی" (متفق علیہ)۔

اس حدیث کے اجمال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے روافض امامیہ اور شیعوں نے خلفاء ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے بطلان پر استدلال کیا ہے اور کہا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی علانیہ وصیت کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ و نائب مقرر کیا لہٰذا حدیث کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی بلا فصل خلافت و امامت کے زیادہ مستحق ہیں۔

ہمارے علماء حق نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس حدیث کے اجمال سے شیعوں کا استدلال ایک پر فریب مغالطہ ہے کیونکہ اپنی عدم موجودگی میں کسی کو نائب اور کارگزار خلیفہ بنا دینا اگر خلافت کبریٰ کی دلیل ہے تو حضرت ابن ام مکتوم اور دوسرے صحابہ کو بھی خلافت کبریٰ ملنی چاہئے کیونکہ انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ایسا عارضی نائب و خلیفہ بنایا ہے لیکن اس کا کوئی قائل نہیں۔

اور جہاں تک حضرت علی کو حضرت ہارون سے تشبیہ دینے کی فضیلت کا سوال ہے تو آپ نے اس سے پہلے حضرت صدیق اکبر کو حضرت ابراہیم و حضرت عیسیٰ کیساتھ اور حضرت عمر کو حضرت موسیٰ و حضرت نوح کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ حضرت ہارون سے تشبیہ دینے سے زیادہ بالا و برتر ہے[۱]

اس حدیث کی تفصیل آگے بھی آرہی ہے۔

سوال نمبر ۱:۔ عن ابی ھریرۃ رضہ عن النبی صلی اللہ وسلم انہ قال لا اعرفن ما یحدث احدکم عنی الحدیث وھو متکئ علی اریکتہ فیقول اقرأ قرآنا ما قیل

۱؎ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بخاری جلد اول صفحہ ۵۲۶ کا حاشیہ ۱۲ مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۲۷۸ کی شرح نووی، ترمذی جلد ثانی صفحہ ۲۱۳ مشکوۃ المصابیح جلد ثانی صفحہ ۵۶۳ نیز اس سلسلے کی شروحات دیکھئے فتح الباری للعسقلانی جلد ہفتم صفحہ [illegible] سیرت مصطفی للکاندھلوی جلد ۳ غزوہ تبوک، فیض الباری للکشمیری جلد چہارم ۶۸ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی للمبارکفوری جلد رابع صفحہ ۳۲۹، ۳۲۸، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح لعلی القاری جلد پنجم صفحہ ۵۶۳ مطبوعہ بمبئی، الکوکب الدری للشیخ الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جلد ثانی صفحہ ۳۲۵

مِنْ قَوْلٍ حَسَنٍ فَاَنَا قُلْتُهٗ "

(الف) اعراب لگاکر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ "ما قیل من قول حسن" کی قابل قبول تشریح کیجئے۔

(ج) "متکی علی اریکتہ" کی خاص طور پر وضاحت کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۱:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے صد ۱۲ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خبردار) میں یہ نہ پاؤں کہ تم میں سے کوئی میری حدیث بیان کرے اور اسے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور وہ (حدیث سن کر نہ صرف اس کی جانب متوجہ نہ ہو بلکہ ناقل حدیث سے الٹا یوں) کہے کہ (صرف) قرآن پڑھو (اگر یہ حدیث قرآن کے مطابق ہوئی تو مانیں گے ورنہ نہیں نیز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عمدہ بات کہی جائے تو (سمجھ لو کہ) اس کو میں نے ہی کہا ہے (اسلئے اس شخص کو چاہیئے کہ اپنے اس نامناسب رویہ سے میرے عمدہ قول کی تکذیب کرے)

(ب)۔ شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "ای ما نقل عنی من قول حسن فالقائل انا" یعنی میری جانب سے جو عمدہ بات کہی جائے تو اس کو یقیناً میں نے ہی کہا ہے [1]

فرمانِ رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ جب سنانے والا ایسی بات بتا رہا ہے جو تمام ادیانِ محرفہ سے بیزاری خدا پرستی توحید نیز ارکانِ اسلام کی تشریح سے متعلق ہے اور اس میں افکار فاسدہ اوہام باطلہ اور کفر و شرک کا شائبہ تک نہیں اور اس کے مضمون و مفہوم سے شانِ نبوت کا انداز اور اس کی عبارت و الفاظ سے معیار رسالت کا تقدس جھلکتا ہے تو اس کی تصدیق میں پس و پیش کرنا تذبذب و تردد کا شکار ہونا اس کو قرآن کے خلاف سمجھنا عیش پرستوں کج فہموں اور گمراہوں کا کام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جب ایک بات صحیح سند سے ثابت ہو رہی ہے تو یقیناً وہ اپنے حسن معانی حقائق ایمانی اور لاثانی تعلیمات و ارشادات میں اپنی مثال آپ ہوگی اور قرآن سے اس کے تعارض کا سوال ہی نہیں اٹھتا کیونکہ قرآن اپنے منفرد و ممتاز معیار کی بناء پر جس چیز کو اعلیٰ و ارفع اور حسن معانی میں لاثانی و لافانی ٹھہرائے گا تو اس معیارِ قرآنی

[1] دیکھئے ابن ماجہ شریف جلد اول صد

کی تمام صفات حسنہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات میں بدرجہ اتم موجود ہوں گی۔ حضرت امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں ایک مسئلہ کا استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

" وفیہ دلیل علی انہ لاحاجۃ بالحدیث الی ان یعرض علی الکتاب وانہ مہما ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان حجۃ بنفسہ [2]

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ابہام و اجمال کی جو تشریح اور توضیح فرمائی ہے اس کے قرآن سے متعارض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلئے وہ بذات خود حجت قطعی اور دلیل شرعی ہے اور جہاں اس کا بظاہر تعارض نظر آئے تو وہ فی الحقیقت تعارض و تصادم نہیں بلکہ وہ ہمارے ذہنوں کا فساد اور ہماری عقلوں کا خلجان ہے۔

بعض اہل علم حضرات نے "ما قیل من قول حسن فانا قلتہ" کو "متکی" کا قول قرار دیا ہے تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ "متکی علی اریکتہ" یہ کہہ رہا ہے کہ اس حدیث کو قرآن کی روشنی اور اس کی اصولیات کے آئینہ میں جانچو اور پرکھو قرآن کی رو سے جو بات عمدہ اور صحیح ٹھہرے گی میں بھی اسے تسلیم کروں گا تو گویا کہ یہ شخص حجیت حدیث کی ایک حد تک تردید و نفی کر رہا ہے اسی لئے قابل مذمت ہے اور اسی کے پیش نظر امام ازہری رح نے یہ نصیحت کی "لا تناظر بکتاب اللہ و لا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3]"۔

(ج)۔ "متکی علی اریکتہ"

اس کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے محشی شرح السنہ فرماتے ہیں "السریر ویقال لا یسمی اریکتہ حتی یکون فی حجلۃ [4]"

امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں "کل ما اتکی علیہ فہو اریکۃ واراد بہذہ الصفۃ اصحاب الترفہ والدعۃ الذین لزموا البیوت وتعدوا عن طلب العلم [4]"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس تمثیل کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں "ای متکئا وجالسا علیہا وفیہ تاکید لحماقۃ القائل وبطرہ وسوء ادبہ"

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں "المراد بہذہ الصفۃ الترفہ والدعۃ کما ہو عادۃ المتکبر المتجبر القلیل الاہتمام بامر الدین [5]"

[2] ملاحظہ ہو شرح السنہ جلد اول صد ۲۰۱ مطبوعہ سعودی عرب [3] دیکھئے شرح السنہ جلد اول صد ۲۰۱ [4] ایضاً [4] ایضاً
[5] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد اول صد ۱۹۵

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحؒ نے ان مذکورہ تمام معانی ومطالب کو محض ایک جملہ میں ادا کردیا ہے فرماتے ہیں "ھذا اشارۃ الیٰ تکبرہ ونخوتہ" [۱]

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے منکرین حدیث کی جانب ایک لطیف اشارہ ہے علامہ رحؒ کی یہ تحقیق ان کی دقتِ نظر اور شانِ فقاہت کا ایک عظیم نمونہ ہے۔ [۲]

سوال ۱۱:۔ عن ابن عباس رضؓ یقول انا کُنَّا نَحفَظُ الحَدِیثَ وَالحَدِیثُ یُحفَظُ عَن رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَامَّا اِذَا رَکِبتُم الصَّعبَ وَالذَّلُولَ فَھَیہَاتَ۔

(الف)۔ اعراب لگاکر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی لغوی واصطلاحی تشریح کیجئے۔

(ج)۔ ترجمۃ الباب" باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے مناسبت ظاہر کرنے کے بعد بتلایئے کہ یہ حدیث عہدِ رسالت میں احادیث کے بارے میں کس قسم کی احتیاط کا پتہ دے رہی ہے؟

(د)۔ اس روایت سے کوئی مسئلہ مستنبط کرکے دکھلایئے۔

جواب سوال ۱۱:۔ اعراب کیلئے ملاحظہ کیجئے صفحہ ہٰذا

(الف) حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ (عہدِ رسالت میں) ہم حدیث یاد کیا کرتے تھے اور حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یاد کیجاتی تھی لیکن جب سے تم لوگ ہر اچھی بری پر سواری کرنے لگے (اور ہر قسم کی ضعیف ومنکر حدیث بیان کرنے لگے) تو اب (تم سے اور ان حدیثوں سے) دوری ہی (بہتر) ہے (کیوں کہ ان روایتوں کی تصدیق یا تکذیب دونوں ہی خطرناک ہیں)۔

(ب)

الفاظ	لغوی معنی	اصطلاحی معنی
الصعب	خراب اور قابلِ نفرت اونٹ	ہر بے بنیاد اور ناکارہ شئی

---

[۱] بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد پنجم [۲] علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق تلاش وجستجو کے باوجود احقر کو کہیں نہیں مل سکی لیکن اس حدیث کے ذیل میں استاذ محترم نے جو وضاحت دورانِ درس فرمائی تھی احقر کو وہی مستحضر ہے اور اسی یادداشت کی بناء پر یہ تحقیق قلمبند کردی ہے لیکن ہی کیا تھا راقم سطور کا یہ خیال ہے کہ علامہ کی یہ تحقیق غالباً ابن ماجہ کے اس نسخہ میں موجود ہوگی جس پر علامہ نے حاشیہ چڑھایا تھا اور جواب نایاب ہے۔ اس حدیث کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے مسند امام احمد ۶/۸ ترمذی کتاب العلم ص۹۰ سنن دارمی اول ص۱۳۳۔ الرسالۃ للامام الشافعی ص۲۹۵۔

الذلول	عمدہ اور برجاذب اونٹ	ہر عمدہ اور بہترین چیز
ھیہات	بتثلیث الاخر اسم فعل ہے مایوسی اور استبعاد کے وقت بولا جاتا ہے۔	

یعنی جب حالات اتنے خراب ہوگئے تو سنبھلنے کی امید تو بہت کم ہے اسلئے ان سے دوری ہی بہتر ہے تاکہ کسی فتنہ میں اپنا دامن تو ملوث نہ ہو۔

(ج)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث "باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت ذکر کی ہے ترجمہ اور حدیث باب میں مطابقت ظاہر ہے کہ فرمانِ رسول اور اقوالِ نبی کے سلسلے میں بے حد محتاط رویہ اپنانا چاہیئے نیز "من یقل علیّ مالم اقل فلیتبوأ مقعدہٗ من النار" کے پیش نظر صرف وہی احادیث بیان کی جائیں جو بہت اچھی طرح محفوظ واز بر ہوں اور ان احادیث کی تحدیث وتشہیر سے احتیاط وپرہیز اور بالکلیہ اجتناب کیا جاوے جن میں ذرا بھی شک وشبہ اور تردد پایا جاتا ہو تو درج بالا حدیث میں "اذا رکبتم الصعب والذلول فھیہات" ہی ترجمۃ الباب ہے اور اس جملہ سے حضرت ابن عباس لوگوں کو فتنہ کرنے کے ساتھ ساتھ احتیاط فی الحدیث پر ابھار رہے ہیں اور توقی فی الحدیث کی تلقین کررہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی یہ روایت بتارہی ہے کہ عہدِ رسالت میں احادیث کو یاد کرنیکا اہتمام تھا اور صحابہ کرام رضؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکے اقوال اور آپکی دعاؤں نصیحتوں اور مواعظ کو باقاعدہ طور سے یاد کیا کرتے تھے اور آپکے قیمتی فرمودات کو سنتے انھیں اپنے دل ودماغ میں بسانے نیز انھیں حیطۂ ضبط میں قید کرنے کیلئے بےچین رہا کرتے تھے تو کتابتِ حدیث کے ساتھ ساتھ تدوین حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ دل ودماغ اور سینوں میں منتقل ومحفوظ کیا جارہا تھا تاکہ قرآن کے ممیز ہونے کے بعد فوراً کتابتِ حدیث کا سلسلہ شروع کردیا جائے اور سینوں کے علم کو سفینوں کے ذریعہ تمام عالم میں پھیلا دیا جائے اسی غرض سے احادیث محفوظ کی جارہی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت میں یہ احتیاط بھی نمایاں نظر آرہی ہے کہ عہدِ رسالت میں جو بات وقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہوتا صحابہ اس سلسلے میں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کرتے اور اس کی تحقیق وتفتیش کرتے اور دربارِ رسالت سے حقیقت ظاہر ہونے کے بعد اس حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یاد کرتے کہ کہیں "من کذب علیّ متعمداً الخ" کا مصداق نہ ہوجائیں۔

(د)۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ مسلمانوں کو سنی سنائی باتوں کا یقین نہیں کرنا چاہیئے

اور صاحب معاملہ سے حقیقت حال اور مسئلہ کی نوعیت کی بابت استفسار کرنا چاہیئے قرآن کریم بھی اس آیت سے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا"

اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی باتوں پر نظر التفات بھی نہیں کیا جائے جو "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع" کے حقیقی مصداق ہیں اور کسی تحقیق وجستجو کی انکو کوئی فکر نہیں۔ نیز اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ اگر صاحب معاملہ موجود نہ ہو تو اس میں توقف لازم ہے۔ ابن عباس یہی طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔

سوال ۱۲:۔ عن قرظة بن کعب رض قَالَ بَعَثَنَا عُمَرُ رض اِلَى الْكُوفَةِ وَشَيَّعَنَا فَمَشَى مَعَنَا اِلٰى مَوْضِعٍ يُقَالُ لَهُ صِرَارٌ فَقَالَ اَتَدْرُونَ لِمَ مَشَيْتُ مَعَكُمْ قَالَ قُلْنَا لِحَقِّ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحَقِّ الْاَنْصَارِ قَالَ وَلٰكِنِّي مَشَيْتُ مَعَكُمْ لِحَدِيْثٍ اَرَدْتُ اَنْ اُحَدِّثَكُمْ بِهٖ فَاَرَدْتُ اَنْ تَحْفَظُوْهُ لِمَمْشَايَ مَعَكُمْ اِنَّكُمْ تَقْدَمُوْنَ عَلٰى قَوْمٍ لِلْقُرْاٰنِ فِيْ صُدُوْرِهِمْ هَزِيْزٌ كَهَزِيْزِ الْمِرْجَلِ فَاِذَا رَأَوْكُمْ مَدُّوْا اِلَيْكُمْ اَعْنَاقَهُمْ وَقَالُوْا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ فَاَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَنَا شَرِيْكُكُمْ۔

(الف)۔ اعراب لگاکر ترجمہ کرنے کے بعد بتائیں کہ کثرت روایت اچھی ہے یا قلت روایت نیز خلفاء راشدین قلیل الروایہ تھے یا کثیر الروایہ؟

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی ایسی تشریح کیجئے جس سے مراد متکلم واضح ہوجائے نیز ترجمۃ الباب "باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ" سے حدیث باب کی مناسبت بیان کیجئے۔

(ج)۔ علم کی تبلیغ اور اس کی اشاعت ضروری ہے اور کتمان علم ناجائز ہے تو پھر حضرت عمر رض نے تقلیل حدیث کا حکم کیوں دیا۔ مصنف کے ترجمۃ الباب سے کیا توجیہ معلوم ہوتی ہے؟

جواب سوال ۱۲:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت قرظہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ ہم کو عمر بن خطاب رض نے (ایک مرتبہ) کوفہ بھیجا (جب ہم کوفہ کیلئے روانہ ہوئے) تو عمر رض مقام صرار تک ہمیں رخصت کرنے آئے پھر (یہاں پہونچ کر) فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں، ابن کعب کہتے ہیں کہ ہم نے (ان سے) کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور انصار کے حق کی وجہ سے (غالباً آپ یہاں تک ہمیں چھوڑنے آئے ہیں) حضرت عمر نے کہا (ہاں یہ وجہ بھی ہے) لیکن (اس وقت دراصل) ایک (اور اہم بات کی بناء پر میں تمہارے ساتھ (یہاں تک) آیا ہوں جس کو (اب) میں تم سے

بیان کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے اپنے ساتھ چل آنے کی وجہ سے (اس بات کو) یاد رکھو گے (تو سنو) عنقریب تم ایسی قوم کے پاس پہونچو گے جن کے دلوں میں قرآن (حاصل کرنے) کیلئے (کھولتی) ہانڈی کی آواز کی مانند جوش اور ولولہ ہوگا جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو (فرط محبت (عقیدت سے) تمہاری جانب گردنیں بڑھائیں گے اور (خوشی سے بے قابو ہوکر) کہیں گے محمد ﷺ کے صحابہ (محمد ﷺ کے صحابہ) تو (اس وقت میری یہ نصیحت یاد رہے کہ ان سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کم (سے کم) بیان کرنا (قلت روایت کے سلسلہ میں) میں تمہارا (برابر کا) شریک ہوں۔

جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ قلت روایت وکثرت روایت میں کون سی زیادہ بہتر اور لائق عمل ہے تو یہ ایک مشکل مسئلہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں ایک دم فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اسلئے اگر قلت روایت کو راجح اور بہتر قرار دیا جائے تو مکثرین صحابہ کے رویہ کی کیا تاویل کی جائے گی اور اگر کثرت روایت پر ترجیح کا اطلاق کیا جائے تو صحابہ کی اکثریت کے رویہ کی کیا توجیہ ہوگی جو قلت روایت پر سختی سے عمل پیرا ہے اور جس میں بڑے بڑے جلیل القدر بدری واحدی صحابہ بھی شامل ہیں۔

اسلئے صحیح بات یہی کہ قلت وکثرت کا راجح مرجوح افضل اور مفضول ہونا راوی کے اپنے اپنے حالات وکیفیات مصلحت وحکمت اور زمانے کے تقاضوں پر موقوف ہے اگر راوی اپنے دل ودماغ قوت حفظ وضبط پر پختہ اعتماد اور بھروسہ کرسکتا ہے اور وہ بغیر کسی تردد وتذبذب کے یقین کیساتھ تحدیث روایت پر قادر ہے نیز زمانہ کے حالات بھی اشاعت علم واظہار احادیث کا تقاضا کر رہے ہیں تو اس کے حق میں کثرت روایت ہی بہتر راجح اور افضل ہوگی تاکہ امت محمدی انوار رسالت وبرکات نبوت سے منور ومعطر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار نبوت سے بھرپور نیز معانی خیز کلام سے فیضیاب ہوسکے اور ان تعلیمات کو اپنے زندگیوں میں اتارے حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے انھیں احساسات وجذبات کے پیش نظر "ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی" نیز حدیث "من سئل عن علم یعلمه قالجمه الجم یوم القیامة بلجام من النار" اور اس جیسی دیگر وعیدوں سے ڈر کر کثرت روایت ہی کو افضل اور راجح سمجھ کر اختیار کیا اور "بلغوا عنی" نیز "الا فلیبلغ الشاھد الغائب" کی عائد کردہ ذمہ داری شاندار طریقہ پر انجام دے کر احادیث کا بیش بہا ذخیرہ درج ذیل حضرات صحابہ نے بے کم وکاست ملت کے سپرد کر دیا۔

اسماء گرامی حضرات صحابہ رض — تعداد روایت

حضرت ابوہریرہ رضؓ ۵۰۰۰
حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ ۲۶۶۰
حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ۲۲۱۰
حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ ۱۶۳۰
حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ ۱۵۶۰
حضرت انس بن مالک رضؓ ۱۲۸۶
حضرت ابوسعید خدری رضؓ ۱۱۷۰

ذرا سوچئے تو سہی اگر یہ مکثرین صحابہ اور شمع محمدی کے پروانے قلت روایت پر عمل کرتے اور نور ہدایت و معرفت سے لبریز ذخیرہ حدیث کو اپنے ساتھ لیکر برزخ منتقل ہو جاتے تو امت مرحومہ اور دعوی دنیا کا کیسا ناقابل تلافی نقصان ہوتا اور وہ ہزاروں احادیث کے بیش بہا تحفہ سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتی۔ لیکن اگر راوی کو اپنے قوت حفظ پر بھروسہ اور اعتماد تو ہے لیکن غلطی اور سہو و زلت کا امکان بھی دامن گیر ہے اور زمانے کی علمی غفلت اور نت نئے فتنے تحدیث روایت کی اجازت نہیں دیتے تو اس کے حق میں قلت روایت ہی بہتر، راجح اور افضل ہے۔

حضرات صحابہ باوجود اس بات کے کہ حفظ وضبط کے پہاڑ تھے اور وہ اپنے نہیں اپنے اعزہ اقرباء اور دیگر قبائل کے نہیں بلکہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کہ کئی کئی پشتوں کے نسب نامے باآسانی یاد رکھتے تھے اور دنیا اس پر متفق ہے کہ عربوں کی طرح سینوں اور دماغوں کی اتنی مضبوط اور کشادہ قوم آج تک روئے زمین پر پیدا نہ ہو سکی لیکن اتنی عظیم یادداشتیں ہونے کے باوجود صحابہ کی ایک زبردست اکثریت قلتِ روایت پر عامل رہی ہے اور علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے بقول انھوں نے صرف وہی احادیث روایت کی ہیں جو انھیں بے حد منقح تھیں یا ان کی ضرورت شدیدہ ہی آپڑی تھی یا پھر جن امور کی تبلیغ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وصیت کی تھی اور ان روایت کی تحدیث میں بھی ان کی حالت اتنی غیر ہو گئی کہ آنکھیں ڈبڈبا گئیں رگیں پھول گئیں بدن تھرا گیا کہ کہیں "من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" "من يقل علی مالم اقل" جیسی خطرناک وعیدوں کے ہم مصداق نہ بن جائیں اور زندگی بھر کی محنتوں پر پانی نہ پھر جائے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین جنھوں نے ایک طویل مدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ میں گزاری ہے اور جو فی نفسہ اکثر الروایہ ہیں لیکن اسی غایت احتیاط اور تقوی کی بناء پر انھوں نے

احادیث کو بہت کم اور بے پناہ ضرورت کے موقع پر ہی بیان کیا ہے اسی لئے ان کا شمار علم حدیث میں قلیل الروایہ صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ قلتِ روایت کو کثرتِ روایت پر یک گونہ فوقیت و فضیلت حاصل ہے کیونکہ "ایاکم وکثرۃ الحدیث عنی" کے پیش نظر اکثر صحابہ کا وہی طرز عمل ہے اور قلت میں کثرت کے مقابلہ میں خطاء سہو زلت اور وعید کا مصداق بننے کا امکان بھی بہت کم ہے۔

(ب)۔ مدوا اليكم اعناقهم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا منشاء یہ ہیکہ وہ قوم نئی نئی اسلام میں داخل ہوئی ہے اور اس وقت اسی پر اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت و مودت اور آپکی عظمت رفعت اور عشق نبوی کا ایک فطری اور پر کیف نشہ سوار ہے وہ ہر اس چیز کی طالب متمنی اور حاصل کرنے کی آرزو مند ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اور آپکی جانب منسوب ہو تو جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو تمہاری صحابیت اور بزرگی کی بناء اور زیادہ جوش و خروش اور اسلامی ولولہ ان کے اندر پیدا ہوگا اور وہ تمہاری زیارت کیلئے دیوانہ وار تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور تمہاری ہر بات کو تجسس و رغبت سے سنیں گے کیوں کہ انھیں عہدِ رسالت کا دور تو ملا نہیں اسلئے اس دور کے تمام صحابہ کرام ہی کو وہ سب کچھ سمجھیں گے اور تمہاری صحبتِ مبارکہ کو ایک نعمتِ عظمی اور امتیازی شان تصور کریں گے۔

فاقلوا الرواية

تو ایسے وقت تم میری یہ نصیحت یاد رکھنا کہ اس کے اس جوش و ولولہ کو دیکھ کر کثرتِ روایت کا شکار نہ ہونا اور بے دھڑک روایات کی تحدیث نہ کرنا قلت روایت کے اس حکم سے حضرت عمر رضؓ کے پیش نظر تین مقاصد ہیں۔

ایک تو یہ کہ اس قوم میں پیغمبر اسلام اور احادیث شریفہ کی محبت اور دینی جوش و خروش بہت زیادہ ہے تو اگر تم کثرت تحدیث سے کام لوگے تو ان کے نزدیک احادیث شریفہ کی کثرت و بہتات کی صورت میں اس کی اہمیت و درجہ میں کمی واقع ہوگی اور حدیث جیسی قیمتی اور نایاب چیز ایک عام شئی بن جائے گی کیوں کہ ایک چیز کی جب بہتات و کثرت ہوتی ہے تو قدرتی طور پر انسانوں کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو اسلئے تم کثرت تحدیث سے اس قوم کے نزدیک احادیث کی اہمیت میں کمی اور اس کی محبت اسلام میں کوتاہی کا سبب نہ بن جانا۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ ابھی علوم قرآن اور اس کی تحصیل میں منہمک ہے اور اس کیلئے میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ فی الحال قرآن ہی کی جانب متوجہ رہے تاکہ اپنے پروردگار کے

پیغام اور اس کے عائد کردہ فرائض سے واقف ہو سکے تو اگر تم ایسے وقت میں پیغمبر علیہ السلام کی احادیث شریفہ اس سے بیان کرنے لگو گے تو وہ ان احادیث ہی کی جانب جھک پڑے گی اور قرآن کو پس پشت ڈال دے گی اور یہ کثرتِ روایت قرآن سے اس کی غفلت کا سبب بن جائے گی اسلئے بس ایسے مقامات پر ہی احادیث سُنانا جہاں قرآن کے مشکل مقام کی وضاحت کی ضرورت پیش آجائے تاکہ قرآن کے سلسلے میں اس کا جوش و ولولہ قائم رہے۔

حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر تیسرا مقصد یہ ہے کہ وہ قوم ابھی حال ہی میں ایمان لائی ہے اور ابھی اس کی مکمل تربیت بھی نہیں ہو سکی ہے اسلئے وہ اسلام کے اصول و مبادیات اور مزاجِ شریعت سے ناواقف ہے تو ممکن ہے کہ تمہاری کثرتِ تحدیث اسے ہضم نہ ہو سکے اور وہ احادیث کے معنی کچھ سے کچھ سمجھ کر فتنہ و آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو وہاں تم کثرتِ تحدیث سے گریز کرنا اور اگر بوقتِ ضرورت احادیث سناؤ تو ایسی احادیث سُنانا جو واضح اور معلوم السبب ہونے کے ساتھ ساتھ محکم ہوں متشابہات میں سے نہ ہوں اور جن کے معنی مراد لینے میں کسی قسم کی کوئی خاص محنت شاقہ اور دماغ سے کام لینا نہ پڑتا ہو۔

ہماری اس تشریح کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ سید انور شاہ کشمیری رحؒ نے بیہقی کے حوالہ سے "فاقلوا الروایۃ" کے بجائے "فاصحوا الروایۃ" کے الفاظ نقل کئے ہیں جو اس مقصد پر صریح دلالت کر رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے مذکورہ مقاصد میں حضرت کے ذوق اور مزاج کے پیشِ نظر مؤخر الذکر دو مقاصد زیادہ راجح ہیں۔

ثم انا شریککم

کیونکہ میرا طریقہ قلتِ روایت ہی ہے اور میں فی الحال اسی کو تمہارے اور اس قوم کے حق میں بہتر سمجھتے ہوئے اس کی تلقین و تاکید کر رہا ہوں تو اگر تم نے میری نصیحت پر عمل کیا اور قلتِ روایت کو فی الحال کثرتِ روایت پر فوقیت دی تو تم نے گویا میری اتباع کی اور قلتِ روایت میں ہم اور تم برابر کے شریک ہوئے۔

حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اس روایت کو "باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت اسی لئے ذکر کیا ہے کہ اس میں تحدیث کے بارے میں احتیاط و اہتمام کی تلقین ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جملہ "فاقلوا الروایۃ" ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(ج)۔ علم کی اشاعت و تبلیغ یقیناً ضروری اور کتمانِ علم واقعی ناجائز ہے لیکن دینی اور شرعی مصلحت و حکمت کی بناء پر محتاط رویہ اپنانا کتمان کے زمرہ میں نہیں آتا امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ

صراحت کی ہے کہ کتمانِ علم جب ہی ہوگا جب کہ سائل اسلام ارکانِ اسلام یا نماز کی ادائیگی کے طریقہ کی بابت دریافت کرے یا کسی چیز کے حرام و حلال، مکروہ اور مباح ہونے کے بارے میں استفسار کرے تو جواب نہ دینے کی صورت میں عالمِ دین اس وعیدِ شدید کا مصداق ہوگا۔

امام سید رحمۃ اللہ علیہ نے مزید کہا کہ یہ کتمانِ علم کی وعیدیں علم ضروری اور اس علم سے متعلق ہیں جن کی عوام کو روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے رہا وہ علم جو عوام کیلئے غیر ضروری اور ان کی ذہنی سطح سے بہت بلند ہے تو اس کے کتمان کے بارے میں یہ وعیدیں نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی غیر ضروری علم سے متعلق روایات کی تحدیث سے اجتناب کرنے کی وصیت کی ہے اسلئے ان کے رویہ پر کوئی اشکال نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ صحابۂ کرام کی جماعت علوم نبوی کی اشاعت اور تبلیغ اسلام ہی کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روانہ فرما رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اصل مقصد و غرض و غایت ہی کو چھپانے کی تلقین کرنے لگیں اصل بات یہ ہے کہ یہاں آپ علوم نبوی کی اشاعت پر ابھارنے اور تبلیغی فریضہ انجام دینے کا جذبہ پیدا کرنے کیساتھ ایک احتیاطی پہلو کی جانب توجہ دلا رہے ہیں وہ یہ کہ تم مسائل ضروریہ اور دین سے لوگوں کو خوب واقف کرانا اور سائلین کے سوالوں کا اطمینان بخش جواب دینا لیکن اپنی اس گفتگو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہ کرنا اگرچہ فی نفسہٖ وہ احادیث کے متون ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہاں بوقتِ ضرورتِ شدیدہ منسوب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی میں خیر و عافیت ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ کتمانِ علم جب لازم آتا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحدیثِ روایت اور بیانِ مسائل سے صراحتاً بالکلیہ روک دیتے اور کسی قسم کے علوم و مسائل کی تشہیر کی اجازت نہیں دیتے جب کہ روایت میں صرف قلتِ روایت کا تذکرہ ہے وہ بھی مصالح کے پیشِ نظر احتیاط پر مبنی ہے اور احتیاط اور کتمان کا کوئی تعلق نہیں۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے ترجمۃ الباب سے یہ توجیہ معلوم ہوتی ہے کہ قلتِ روایت احتیاط اور تقویٰ کے زمرہ میں آئے گی اس پر کتمانِ علم کا اطلاق نہیں ہوگا اور توقی فی الحدیث نیز احتیاط کا یہی تقاضہ ہے کہ کثرتِ روایت سے اجتناب کیا جائے کیونکہ کثرت ہی خطاء ہے۔

سوال ۱۳:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(الف)۔ حدیث بالا پر اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے اہل سنت کے نزدیک کذب کی تعریف نقل کرنے کے بعد معتزلہ کی رائے بھی قلمبند کیجئے۔

(ب)۔ کذب فی الحدیث پر مختصر گرشانی کلام کیجئے اور اس سلسلے میں اہل سنت کا مسلک تحریر فرمائیے۔
(ج)۔ ترغیب و ترہیب کے طور پر جن لوگوں نے کذب فی الحدیث کو جائز کہا ہے ان کی نشاندہی کیجئے اور ان کے مذہب کا تعاقب کیجئے۔
(د)۔ اگر کسی کے بارے میں کذب فی الحدیث ثابت ہو جائے تو اس کا اور اس کی روایتوں کا کیا حکم ہے؟ مع اختلاف علماء لکھیئے۔

جواب سوال ۱۳:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے ۲۱ کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر میرے بارے میں جھوٹ بولے (اور کسی قول و فعل و صفت کو میری جانب سے غلط منسوب کرے) تو وہ (اس بدترین جرم کی پاداش میں) اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اہل سنّت کی تعریف بیان کرتے ہوئے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری فرماتے ہیں:۔

"اہل سنت کے نزدیک کذب (جھوٹ) خلاف واقعہ بات بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ عمداً ہو یا سہواً مگر چونکہ بھول چوک میں گناہ نہیں ہوتا اسلئے حدیث میں "متعمداً" کی قید بڑھائی گئی ہے "والکذب الاخبار عن الشیٔ علیٰ غیر ماھو علیہ وان لم یتعمد لکن التعمد شرط الاثم"
(فیض القدیر جلد پنجم ص۲)

اس کے برخلاف معتزلہ کذب کی تعریف کو "عمداً" و "متعمداً" سے مقید کرنے پر مصر ہیں تو ان کے نزدیک تعریف کذب یہ ہوگی "واقعہ کے خلاف جان بوجھ کر غلط خبر دینا"۔ اس صورت میں "متعمداً" کی قید اتفاقی نہیں بلکہ احترازی ہوگی۔

(ب)۔ امم سابقہ کے حالات کا مطالعہ کرنے اور ان کی تاریخ پر غور و فکر کرنے نیز ان کے مزاج پر تحقیق کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح ہو جاتی ہے کہ ان کی روحانی مفلسی اخلاقی تباہی و بربادی اور علمی طور پر دیوالیہ ہونے میں جہاں ان کی غفلت و مدہوشی ذہانت و ذکاوت سے محرومی اور نفس پرستی نے اہم کردار ادا کیا ہے وہیں بدعات و خرافات انبیاء سے منسوب ترغیبی و ترہیبی جھوٹ نے بھی ان کی شریعت و دین پر جہالت و ضلالت کے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں اور اسی کی وجہ سے ضلالت و سرگشتگی کے گڑھوں کی جانب ان کے بڑھتے قدم مزید ہو گئے اور وہ بالآخر دنیا کے پردے سے ہٹادی گئیں۔

عہد اولین سے عہد اسلام تک جو قومیں بھی ہمیں گمنامیوں تاریک وادیوں اور ضلالت و سفاہت

کے گڑھوں کی جانب تیز تیز قدموں سے بھاگتی نظر آتی ہیں ان سب میں قدرے مشترک اور مجموعی طور پر یہی زہریلا عنصر سرایت کئے ہوئے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آسمانی شریعت اور الہامی دین میں ترغیباً و ترہیباً جھوٹ کا بالکلیہ انسداد نہ کیا جائے نت نئی بدعات اور احداث فی الدین کو ممنوع قرار نہ دیا جائے اور چند عقل سے فارغ انسانوں کے خیال میں ترغیب و ترہیب کے باب میں جھوٹ کی کھلی بند اجازت دیدی جائے تو کذب فی الحدیث کا دائرہ مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں اس طرح پھیلتا جائے گا کہ وہ خود ایک دین اور مذہب کی شکل اختیار کرے گا اور وہ جہاں شریعت الہامی کی تحریف کا اچھا خاصا سامان فراہم کرے گا وہیں اس کے گرد و غبار سے اصل دین نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

نیز ہر شخص نے حکمت و حالات کے پیش نظر اپنی ناقص اور شریعت سے ناآشنا خرد و عقل سے حدیثیں گڑھنی شروع کر دیں اور جیسے جیسے حالات و تقاضے بدلتے رہے ایسی ہی یہ نام نہاد واعظ اپنی زبان و قلم میں تبدیلی پیدا کرتے رہے تو جلد ہی وہ وقت آئے گا کہ یہ دین متضاد نظریات متصادم تخیلات اور افسانوں نیز جھوٹی کہانیوں کا ایک پلندہ بن کر رہ جائے گا اور اس کو مکمل نظام قرار دینے نیز دائمی دین ہونے کے دعوے سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا ——— یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت نے مذکورہ مذہب کی پرزور تردید کی اور ترغیبی و ترہیبی جھوٹ کو قطعاً حرام اور اکبر کبائر قرار دیا کیونکہ اس رائے سے جہاں اسلام کی حفاظت خطرے میں پڑتی ہے وہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خارت بھی متاثر ہوتی ہے۔

اب درج بالا مضمون کو مندرجہ ذیل دلائل سے مدلل کیے۔

- یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔

یہاں مطلقاً کذب بیانی سے احتراز اور صدق بیانی کی ترغیب دی گئی جس کی رو سے دین و شریعت میں کذب بیانی مطلقاً حرام ہے۔

- من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔
- من یقل علیّ مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار۔
- الصدق ینجی والکذب یھلک۔

(ج)۔ ترغیب و ترہیب کے طور پر کذب فی الحدیث امت کے دو گمراہ فریقین روافض و کرامیہ کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ بضرورت وقت ایک مستحب امر ہے۔

شراح حدیث کا خیال ہے کہ حدیث میں وارد ہوئے لفظ "علیٰ" سے ان فرقوں کو وہم اور

دھوکہ ہوا ہے اور انھوں نے لفظ "علی" کو نقصان اضرار اور عداوت کے معنی میں متعین سمجھ کر ترغیب و ترہیب کے تمام ابواب میں وضع حدیث کا فتویٰ دیدیا لیکن حقیقت یہ ہیکہ "علی" کو اضرار کیلئے متعین سمجھنا ان کی بدباطنی موروثی خباثت اور دینی فراست و فقاہت سے محرومی کا نتیجہ ہے لہٰذا انھوں نے اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ لفظ "علی" سے اسی کذب کی ممانعت و حرمت ثابت ہوگی جو دین کیلئے مضرت و نقصان کا باعث ہو اور ترہیبی و ترغیبی طور پر کذب اسلئے مستحسن ہے کیوں کہ اس کا مقصد انسانوں کو دھمکا کر اور فضائل بیان کرکے دین سے قریب کرنا ہے لہٰذا ایسی تمام حدیثیں "کذب علیہ" کے نہیں بلکہ "کذب لہ" کے زمرہ میں آئیں گی۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث "من کذب علی متعمدًا" کے بعض طرق میں "لیضل به الناس" کا قرینہ موجود ہے لہٰذا ایسی تمام موضوع احادیث اس وعید کے زمرہ میں نہیں آئیں گی جن کا مقصد "لیھدی به الناس" اور ترغیب اسلام ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری دلیل اول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> "اگر ان لوگوں کی یہ دلیل تسلیم کرلی جائے تو پھر تمام بدعات دین ہو جائینگی کیونکہ بدعتین دین کو نقصان پہنچانے کیلئے بدعات ایجاد نہیں کرتے بلکہ اپنے زعم میں وہ ان بدعات کے ذریعہ دین کی تکمیل کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر غلط انتساب کذب علیہ کا مصداق ہے اول اس طرح جب وضع کا سلسلہ شروع ہوگا تو اس پر کوئی پابندی نہیں لگ سکے گی احکام میں بھی حدیثیں وضع کی جائیں گی بلکہ کی گئی ہیں ثانیاً ہر وضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام قائم کرے گا کہ آپ نے دین کی تمام باتیں نہیں بتائیں کچھ رہ گئی تھیں جسے یہ واضعین مکمل کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔"[۲۰]

اور جہاں تک "علی" کے معنی کا سوال ہے تو حقیقت یہ ہیکہ قرآن و حدیث اور لغات عرب میں سیکڑوں جگہ منفعت و محبت کے معنی میں مستعمل ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

۱- ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔ (قرآن)

۲- من صلی علی صلوٰۃ واحدۃ صلی اللہ علیه عشرا (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

۳- اللھم صل علی محمد و علی آل محمد الخ:۔

۴- السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیه۔

اور جہاں تک ان کی دوسری دلیل کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہیکہ یہ نہایت کمزور اور کچی دلیل ہے جس سے زبردستی استدلال کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ تمام محدثین اور علماء حق نے اس کی پرزور تردید کی ہے اور اسی ٹکڑے کے بطلان پر تمام اہل علم و دانش حضرات کا اتفاق رہا ہے امام نووی (مسلک حنفی کے بیرسٹر اور مشہور محدث امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ جملہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ کذب کی علت نہیں بلکہ تاکید اور نتیجہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قسم کے کذب کا بھی انتساب کیا جائے گا اس کا لازمی و حتمی نتیجہ ایمان سے محرومی اور ضلالت و گمراہی ہوگا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لیضل" میں لام علت کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول "فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا لیضل الناس"۔

اسی کے ذیل میں جواب کی شق (ب) کا بھی استحضار کرلیں۔

(د)۔ کسی کے بارے میں اگر کذب فی الحدیث ثابت ہو جائے تو اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں ذیل میں انھیں نقل کیا جاتا ہے:۔

(۱)۔ امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، ابوبکر صیرفی اور جمہور کے نزدیک واضع حدیث کافر تو نہیں لیکن اعلیٰ درجہ کا فاسق قرار دیا جائے گا اور توبہ کرنے کے باوجود بھی اس کی روایتیں ناقابل اعتبار اور مردود ہی رہیں گی چاہے وہ روایتیں فی نفسہ صحیح ہوں۔

(۲)۔ شیخ ابو محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کاذب فی الحدیث کافر اور مرتد ہے لہٰذا اس سنگین جرم کی پاداش میں اس کا سر قلم کر دیا جائے امام ناصر الدین بن المنیر اور ان کے چھوٹے بھائی زین الدین بن المنیر کی بھی یہی رائے ہے اور انھوں نے اس رائے کو مزید تقویت پہنچائی ہے لہٰذا ان متشدد حضرات کے نزدیک اس کی روایتوں کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳)۔ بعض محدثین کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے کافر نہیں ہے اگر یہ توبہ کرے اور دل میں پشیماں ہو کر آئندہ کذب میں ملوث نہ ہونے کا عزم مصمم کرے تو اس کی صحیح روایتیں قابل قبول ہوں گی۔

علامہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دو مسلکوں پر نقد کرتے ہوئے اور آخری مذہب کو مدلل و مؤید کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تمام علماء کے نزدیک کافر کی شہادت بعد الاسلام بالاتفاق قابل قبول ہے تو روایت بعد التوبہ کیوں مقبول نہیں جب کہ دونوں حافظے کی مدد سے انجام دی جاتی ہیں اور کفر بہر حال کذب سے زیادہ بڑا جرم ہے لہٰذا صحیح یہی ہے کہ بعد التوبہ روایات مقبول ہوں گی اور حدیث "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" بھی اسی کی

متقاضی ہے لیکن علامہ نووی کا بیان کردہ مسلک جمہور کے خلاف ہے۔

سوال ۱۴ :- عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حَدَّثَ عَنِّی حدیثاً وَھُوَ یَرَیٰ أَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ أَحَدُ الکَاذِبِیْنَ۔

(الف)۔ اعراب لگا کر حدیث کی تشریح کیجئے۔

(ب)۔ "کاذبین" کو اگر تثنیہ کی صورت میں پڑھا جائے تو کون دو کاذب مراد ہوں گے؟

(ج)۔ نیز یہ بتائیے کہ "یری" کو معروف اور مجہول پڑھنے میں کیا کیا معنی مراد ہوں گے؟

جواب سوال ۱۴ :- (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص میری جانب سے کوئی ایسی حدیث (قولی، فعلی، تقریری، وصفی) بیان کرے جس کے متعلق اس کا گمان یہ ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ (ناقل) بھی (واضعین حدیث کی طرح) جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔

(ب)۔ تثنیہ کا معنی بیان کرتے ہوئے استاذ محترم مولانا سعید صاحب پالنپوری فرماتے ہیں:-

"اور تثنیہ کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ دو جھوٹوں میں کا ایک ہے۔
پہلا وہ شخص ہے جس نے یہ حدیث بنائی ہے اور دوسرا وہ راوی ہے
جو اس جھوٹ کو پھیلا رہا ہے یعنی ان الکاذب الاول ھو البادی بھذا
الکذب وھذا الراوی ھو ثانیھما"[۹]

(ج)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر "یُریٰ" کو مجہول پڑھا جائے تو وہ "یظن" کے معنی کے ساتھ متضمن ہوگا یعنی ظن غالب کے طور پر وہ روایت کو جھوٹ سمجھتا ہے۔

اس کے برخلاف "یَریٰ" کو معروف پڑھنے کی صورت میں "یعلم" کے معنی مراد لئے جائیں گے یعنی یقین کے ساتھ روایت کا جھوٹ ہونا اس پر عیاں ہے[۱]۔

سوال ۱۵ :- عَنِ العِرْبَاضِ بنِ سَارِیَۃَ یَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَوْعِظَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا العُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْھَا القُلُوْبُ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ

---

[۱] دیکھئے فیض المنعم شرح مقدمہ مسلم صفحہ ۶۱-۶۲ [۲] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے ابن ماجہ شریف صفحہ ۵ حاشیہ ۶، تنظیم الاشتات جلد اول صفحہ ۱۳۱، شرح السنہ جلد اول صفحہ ۲۶۶، مسلم اول صفحہ ۷، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ جلد اول صفحہ ۲۱۹، الکوکب الدری للشیخ الگنگوہی جلد ثانی صفحہ ۱۳۰، ترمذی شریف جلد ثانی صفحہ ۹۱ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند، تحفۃ الاحوذی جلد سوم صفحہ ۳۷۳، التعلیق الصبیح للشیخ الکاندھلوی جلد اول صفحہ ۱۴۰۔

اِنَّ ھٰذِہٖ المَوْعِظَۃَ مُوَدِّعٌ فَمَاذَا تَعْھَدُ اِلَیْنَا قَالَ قَدْ تَرَکْتُکُمْ عَلَی البَیْضَاءِ لَیْلُھَا کَنَھَارِھَا لَا یَزِیْغُ عَنْھَا بَعْدِیْ اِلَّا ھَالِکٌ مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ فَسَیَرَیٰ اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ المَھْدِیِّیْنَ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَیْکُمْ بِالطَّاعَۃِ وَاِنْ عَبْدًا حَبَشِیًّا فَاِنَّمَا المُؤْمِنُ کَالجَمَلِ الاَنِفِ حَیْثُ مَا قِیْدَ انْقَادَ وَفِیْ طَرِیْقٍ آخَرَ وَاِیَّاکُمْ وَالاُمُوْرَ المُحْدَثَاتِ فَاِنَّ کُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ"

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کرنے کے بعد خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے "لیلھا کنہارھا" کی خصوصی وضاحت فرمائیے۔

(ب)۔ خلفاء سے مخصوص خلفاء مراد ہیں یا ان کا مفہوم لغوی مراد ہے اگر عام خلفاء مراد ہیں جو بھی ان اوصاف کے حامل ہوں تو ان کی سنت میں اہم فرق ہوگا یا دونوں طبقہ کی سنت کا یکساں حکم ہے؟

(ج)۔ بدعت کی ایسی تعریف نقل کیجئے جس پر "کل بدعۃ ضلالۃ" پورے طور پر صادق آئے تخصیص و استثناء کی ضرورت نہ پڑے۔

جواب سوال ۱۵ :- اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (ایسے مؤثر اور پرسوز انداز میں) خطاب فرمایا کہ ہماری آنکھیں بہنے لگیں اور دل دہل گئے تو ہم لوگوں نے (آپ سے) کہا کہ یا رسول اللہ یہ تقریر تو (اپنی پرسوز نصیحت و وصیت میں) رخصت کرنے والے کی سی تقریر ہے تو آپ (رخصت و وداع کے وقت) ہم سے کس چیز کا عہد لیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو (ایک) روشن (اسلامی و دینی) ماحول میں چھوڑ رہا ہوں جس (دین کی رات) اس کے دن کی طرح روشن ہے (اس صاف و روشن شاہراہ سے اب) صرف ہلاک ہونے والا ہی بھٹکے گا (آپ نے مزید فرمایا کہ) تم میں میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ عنقریب زبردست اختلاف دیکھے گا (تو ایسے خطرناک وقت میں سلامتی اسی میں ہے کہ) تم میری واضح سنتوں اور خلفاء راشدین کے طریقوں کو دانتوں سے پکڑ لینا اور (ساتھ ساتھ) امیر کی اطاعت ضرور کرتے رہنا۔ چاہے وہ (امیر) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو (اطاعت امیر اس لئے ضروری ہے کہ) مومن نکیل والے اونٹ کی طرح ہے اس کو جس طرف ہانکا (اونٹ کی طرح) چل پڑتا ہے۔ محدثات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

ذرف یذرف ذرفاً و ذریفاً و ذروفاً و ذرفاناً (ض) آنسو بہانا۔

وجل یوجل وجلاً و موجلاً (س) ڈرنا، گھبرانا قال اللہ تعالیٰ لا توجل انا نبشرک بغلام علیم۔

عض یعض عضاً وعضیضاً (س) قال اللہ تعالیٰ ویوم یعض الظالم علی یدیہ۔
نواجذ ناجذ کی جمع معنی ڈاڑھ۔
لیلہا کنہارہا

عہد اولین سے عہد رسالت ﷺ تک جتنے انبیاء و رسل اس دنیا میں تشریف لائے وہ سب قصر نبوت و رسالت کی متعدد تدریجی صورتیں تھیں جو مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں فطرت انسان کی رعایت کرتے ہوئے احکام الٰہی و تعلیم نبوی کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کی پیہم جد و جہد، ان کی مساعی حسنہ اور ان کی تحریک دعوت و ارشاد ان کے قبیلے یا ان کی دوسری مخاطب جماعت تک محدود رہی، تمام نسل انسانیت کی جانب مبعوث ہوتے کا نہ انھوں نے دعویٰ ہی کیا اور نہ ہی ان کو اس کا مکلف بنایا گیا۔ اسی بنا پر ان کی شریعت کی حفاظت کی ایسی ضرورت نہ سمجھی گئی اور نہ اس کی آئندہ نسلوں کی رعایت کرتے ہوئے توضیح و تشریح کی گئی۔

آنحضرت ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے انبیاء سابقین کے اسی درجہ کی وضاحت اور اپنی شان خاتمیت اور ممتاز درجہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "اُرسلتُ الی الناس کافۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ"، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص قوم کسی محدود قبیلے اور کسی ممتاز خاندان کی جانب نہیں بلکہ نسل انسانیت کی اس پوری جماعت کی جانب مبعوث کئے گئے ہیں جو قیامت تک روئے زمین پر جنم لے گی اس لئے ضروری تھا کہ قیامت تک کیلئے آپ کی شریعت کو اتنا محفوظ اتنا جامع مکمل اور متنوع نیز اتنا شرح کر دیا جائے اور اس کی ہر ہر شق ہر ہر پہلو اور پیغام الٰہی کے تمام گوشوں پر بھرپور روشنی ڈالی جائے اور آپ کے اسوہ حسنہ سے پیغام الٰہی کی ایسی تفسیر کر دی جائے کہ پھر اس میں کسی قسم کا خفاء نیز ابہام و احتمال کا شائبہ تک باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اصول و مبادیات، تشریعی رموز و اشارات اور نبوی علوم و معارف کی ایسی وضاحت کر دی کہ جس کی فطرت میں صلح و سعادت کا اگر معمولی سا عنصر بھی ہوگا تو وہ یقیناً اسے قبول کئے بغیر نہ رہ سکے گا اور اس صاف و شفاف واضح اور فطری دین سے صرف وہی اعراض کرے گا جس کے نوشتہ تقدیر میں ہی ہلاکت و بربادی لکھی جا چکی اور وہ ازل سے ہی شقی و نامراد ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ دین عہد رسالت سے قیامت تک اسی طرح واضح اور روشن رہے گا اور اگر اس صاف و شفاف الہامی چشمہ میں کوئی آلودگی ڈالنا چاہے گا تو حدیث صحیح "لاتزال طائفۃ من امتی منصورین لایضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ" کا مصداق ایک جماعت کھڑی ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے مطابق "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و

انتحال المبطلین وتاویل الجاھلین"، کا زبردست اصلاحی مظاہرہ کرے گی اور تمام باطل افکار، بدعات و خرافات اور اوہام فاسدہ کا بالکلیہ انسداد کر دے گی تو اس طرح شریعت محمدی کے کسی پہلو پر قیامت تک بھی پردہ نہ ڈالا جا سکے گا اور یہ دین قیامت تک صاف و شفاف روشن اور زندہ و تابندہ رہے گا۔

(ب)۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی مراد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
"قیل ھم الخلفاء الاربعۃ ابوبکر وعمر وعثمان وعلیؓ لانہ علیہ السلام قال الخلافۃ بعدی ثلثون وقد انتھی بخلافۃ علی کرم اللہ وجھہ"۔

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رح فرماتے ہیں:۔
"قال التورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ المعنون بھذا القول ھم الخلفاء الاربعۃ لانہ علیہ السلام قال ... فی حدیث آخر الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ وقد انتھت الثلثون بخلافۃ علی رضؓ"

صاحب مفتاح الحاجہ شیخ محمد علوی رح نے بھی یہی ترتیب بیان کی ہے اور انھیں چاروں خلفاء کو حدیث باب کا مصداق ٹھہرایا ہے جبکہ شیخ عبدالغنی مجددی رح نے ان خلفاء میں حضرت حسن رضؓ کو بھی شمار کیا ہے اور علماء کی ایک اچھی خاصی جماعت کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ "الخلافۃ بعدی ثلثون" کے تحت حضرت حسن رضؓ کی خلافت بھی آتی ہے اور ان کے زمانہ خلافت کو ملا کر ہی تیس سال پورے ہوتے ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ حدیث باب سے یہی خلفاء خمسہ مراد ہیں۔

لیکن اگر خلفاء کا عام اور لغوی مفہوم مراد لیا جائے تو مذکورہ حضرات کے علاوہ تمام حضرات اس کے مصداق ہوں گے جنھوں نے اپنی زندگیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تعلیمات نبوی کے سانچہ میں ڈھال لیا ہو اور آپ کی سیرت مبارکہ کے مختلف گوشوں پر مکمل طور سے عمل پیرا رہے ہوں جیسے حضرات فقہاء، محدثین و مجددین اور ائمہ عادلین وغیرہ۔ علماء کی ایک قلیل جماعت کا یہی مذہب ہے، اور حدیث رسول "لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون" سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

لیکن ان حضرات کو حدیث کا مراد مان لینے کی صورت میں خلفاء راشدین اور ان حضرات کی سنت میں یکسانیت نہیں بلکہ باہم فرق مراتب ہوگا کیونکہ صحابہ کرام اہل سنت والجماعت کے نزدیک حجت اور دلیل قطعی ہیں اور "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" نیز "الصحابۃ کلھم عدول" کا خلفاء راشدین اعلیٰ ترین نمونہ ہیں اور اصول شریعت کے مطابق غیر قیاسی مسائل میں ان حضرات کے اقوال حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں لہٰذا ان کے اجماعی عمل اور فیصلے سے خروج جائز نہیں اور ان کی ہر ہر سنت کی اطاعت و اتباع ضروری ہوگی کیونکہ

خلافت راشدہ اسلامی قانون سازی و دینی دستور کی ایک مستقل بنیاد ہے اور اس کے تحت آنے والے تمام مسائل منصوصہ وغیر منصوصہ اور اجتہادی اور استنباطی احکام بذاتِ خود دین کے اجزاء شمار ہوں گے کیوں کہ ان میں اکثر وہی چیزیں ہیں جو عہدِ رسالت میں منصوص ومکتوب تھیں لیکن ان کی ترویج وتشہیر نہ ہو سکی تھی لیکن ان حضرات خلفاء راشدین نے انھیں اپنے اجتہاد و قیاس سے معاشرہ پر نافذ فرمایا تو گویا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنتیں ہوئیں یہ حضرات محض نافذین ہوئے۔

اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مواقع پر ان حضرات کے ناموں کی صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی اقتدار پر ابھارا ہے اور مختلف ومتعدد مواقع پر ان کی توثیق و تعدیل کی ہے جیساکہ غزوۂ بدر کے اصحاب کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اعملوا ماشئتم قد عفوتکم" (حدیث قدسی)

اسلئے ان حضرات خلفاء راشدین کی سنتوں کا مرتبہ نہایت بلند اعلیٰ اور قوی تر ہوگا اور ان سے کسی صورت میں خروج جائز نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف لغوی خلفاء کے بارے میں نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق و تعدیل کی ایسی صراحت ہے کہ یہ حضرات بھی مخطی نہیں بلکہ مصیب ہی ہوں گے اور نہ ہی ان کا مقام و مرتبہ اتنا بلند واعلیٰ اور نہ ہی انھیں شرف صحابیت حاصل ہے لہٰذا ان کی سنتوں کا وہ حکم ومرتبہ نہیں ہوگا اور ان کی وہی سنتیں قابل قبول اور قابل تقلید ہوں گی جو ماخذ شریعت کے مطابق ہونے کیساتھ ساتھ اقرب الی السنۃ ہوں اور مزاج شریعت اسلامیہ کے بھی عین موافق ہوں اور ساتھ ساتھ ان میں خلوص للہیت و نیک نیتی کا نور اور طریق محمدی واتباع نبوی کا تقدس بھی صاف جھلکتا ہو اسی اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:۔

"اننا نعمل اولا بکتاب اللہ ثم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم باحادیث ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم[۵۰]"۔

اس کے بعد امام صاحب صحابہ وغیر صحابہ کے فرق کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الراس والعین بابی وامی ولیس لنا مخالفته وماجاء عن اصحابه تخیرنا وماجاء عن غیرهم فهم رجال ونحن رجال[۵۱]"۔

ظاہر ہے کہ خلفاء اربعہ تو صحابہ کا دماغ ہیں لہٰذا ان کی سنت کی اتباع واجب ہے اور "فهم رجال ونحن رجال" کہہ کر امام صاحب اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دوسرے حضرات کی سنتوں کا وہ حکم نہیں۔

محشی شرح السنہ بدعت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:۔

۱ ؎ ماہنامہ چراغ راہ کراچی کا اسلامی قانون نمبر جلد دوم ص ۱۵۰ طبع ۱۹۵۶ء

"ما احدث علی غیر قیاس اصل من اصول الدین[۵۲]"۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"کل شیئ عمل علی غیر مثال سبق وفی الشرع احداث مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۵۳]"۔

ایک تیسری تعریف محققین علماء نے یہ فرمائی:۔

"المراد بالبدعة ما احدث من مالا اصل له فی الشریعة"۔

درج بالا بدعات کی تمام تعریفیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ماخوذ ہیں:۔

"من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد[۵۴]"۔

سوال نمبر ۱۶:۔ عن جابر بن عبد اللہ رض کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوته واشتد غضبه کانه منذر جیش یقول صبحکم ومساکم ویقول بعثت انا والساعة کهاتین ویقرن بین اصبعیه السبابة والوسطی ثم یقول اما بعد فان خیر الامور کتاب اللہ وخیر الهدی هدی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة وکان یقول من ترک مالا فلاهله ومن ترک دینا او ضیاعا فعلی والی۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی مفصل وضاحت کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتایئے کہ "بعثت انا والساعة کهاتین" مقارنت کیلئے ہے یا مقاربت کیلئے دونوں صورتوں میں فرق بیان کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۱۶:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رض بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تقریر کرتے تو (ایک عجیب وغریب کیفیت سے) آپکی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور (جوش میں) آپ کی آواز

۲ ؎ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح لعلی القاری ص ۱۷۰ جلد اول ۳ ؎ بدعت کی مزید تعریف کیلئے دیکھئے مجالس الابرار ص ۱۲۱ تا ص ۱۳۲ ۔ ۴ ؎ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے ابوداؤد جلد ثانی ص ۲۹۵ بذل المجہود جلد خامس ص ۱۹۵، ترمذی شریف ثانی ص ۹۲، الکوکب الدری جلد ثانی ص ۱۳۲، مسند امام احمد جلد چہارم ص ۱۲۶ ـ ۱۲۷، مقدمہ دارمی جلد اول ص ۴۴، شرح السنہ جلد اول ص ۲۰۶ کا حاشیہ، مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد اول ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۱، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد سوم ص ۳۷۸، تنظیم الاشتات جلد اول ص ۱۲۷، مظاہر حق جدید جلد اول قسط چہارم ص ۳۰

(نہایت) بلند ہو جاتی اور آپ کا غصہ بڑھ جاتا گویا کہ آپ تنبیہاً لشکر کو ڈرا رہے ہوں (پھر اسی انداز میں فرماتے) صبح و شام (خطرہ تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے) اور یوں کہتے کہ میں اور قیامت اس طرح (ساتھ ساتھ) مبعوث کئے گئے ہیں پھر (اپنی بعثت اور قیامت کی قربت کی وضاحت اس طرح کرتے کہ) اپنی سبابہ اور وسطی کو ملا دیتے نیز فرماتے امابعد بہترین کلام کلام اللہ ہے اور (اس کا) شاندار عملی نمونہ محمدؐ کی سیرت ہے اور بدترین چیز (دین میں) نئی بات پیدا کرنا ہے اور (اس طرح کی) ہر بدعت گمراہی ہے ——— پھر (مزید فرماتے (تم میں) جس نے مال چھوڑا تو وہ (مال قانوناً) اس کے اہل (و عیال) کیلئے ہے اور جس نے قرضہ یا لاوارث بچے چھوڑے تو (قرض کی ادائیگی اور بچوں کی پرورش و نگہداشت اخلاقاً) میرے ذمہ ہے۔

(ب)۔ اذا خطب احمرت عیناہ۔

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں دو وجہ سے یہ کیفیت ہوتی تھی:۔

(۱)۔ ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی غفلت کو توڑنے بیداری اور دینی جوش و خروش پیدا کرنے کیلئے بلیغ انداز میں مؤثر تقریر فرماتے تھے جس کی وجہ سے آپکی آنکھیں بھی سرخ ہو جاتی تھی

(۲)۔ دوسری یہ کہ نبی جب امر الٰہیہ کو بیان کرتا ہے تو اس پر ایک عجیب و غریب پر سوز کیفیت و رقت طاری ہوتی ہے جس سے اعضاء جسم متاثر ہوتے ہیں اور آنکھوں میں خوف خدا اور سرخی صاف جھلکنے لگتی ہے۔[1]

(۳)۔ ان دو وضاحتوں کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی بوقت خطبہ جن فتنوں سے ڈرا رہا ہو اسی دوران ان فتنوں کے کچھ روح فرسا مناظر پردۂ غیب سے اسے دکھا دیئے جاتے ہوں جس سے اس کے دل کو تکلیف پہونچتی ہو اور یہ حالت ہو جاتی ہو۔

نیز نبی جب منکرات کا تذکرہ اور خطرات کی پیشین گوئی کرتا ہے تو ان کی شناعت و قباحت کے پیش نظر اس سے اللہ کی صفت قہاریت کا ظہور ہوتا ہے۔

صبحکم ومساکم

جب حالات بہت خراب ہوں اور صبح و شام خطرات کی زد میں ہوں اور انجام نہایت قریب آ چکا ہو تو ایسے وقت میں اس مخفف جملہ کا استعمال کیا جاتا ہے جس کا مقصد انسانوں کو بیدار اور چوکنا کرنا ہوتا ہے یعنی پتہ نہیں صبح کو تمہارے اوپر کون سی آفت نازل ہو جائے اور معلوم نہیں شام کو تمہارا کیا انجام ہو حدیث باب میں "بعثت انا والساعۃ" کا قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ جملہ اسی سے متعلق ہے تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ قیامت اتنی قریب آ گئی ہے کہ بس صبح یا شام

[1] حضرت شاہ ولی اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

قائم ہی ہونے والی ہے اسلئے جو کچھ اعمال صالحہ یا توبہ وغیرہ کرنی ہو تو انھیں میسر شدہ لمحات میں کر لیا جائے۔

وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ

یعنی سیرتوں میں سب سے شاندار جامع متنوع اور کامل سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اور دنیائے انسانی کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے انسان کیلئے یہی سیرت قابل تقلید اور عملی نمونہ ہے بادشاہ فقیر تاجر شوہر معلم و مربی سپہ سالار غرض یہ کہ ہر قسم کے افراد کیلئے۔ سیرت محمدی پورا سامان فراہم کرتی ہے۔ حضرت علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سیرت کے اسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو اگر تم استاذ و معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو اگر تنہائی و بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد و جہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو اگر یتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصری کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب

برابر تھے اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسن حسین کے نانا کا حال پوچھو غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کیلئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی واصلاح کیلئے سامان تمہارے ظلمت خانہ کیلئے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔[1]

علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح و توضیح سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایک آئیڈیل اور اکمل سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ "وخیر الھدی ھدی محمد" جوامع الکلم ہے جو اتنے کثیر اور عظیم معنی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

من ترک مالا فلاھلہ ومن ترک دینا او ضیاعا فعلی والی

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ اور شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں مذکور "ضیاعا" ضیاع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میت نے نہایت کم سن اولاد چھوڑی ہے جسے سہارے اور کسی کے سایہ عاطفت کی ضرورت ہے اور سہارا میسر نہ ہونے کی صورت میں تباہی و بربادی یقینی ہے تو ایسے تمام بے سہاروں لاوارثوں اور یتیموں کے سرپرست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت بے نظیر سخاوت و وسعت نیز خدا ترسی کا ایسا بے مثال نمونہ ہے جس کی نظیر پوری نام ونہاد انسانیت کے علمبرداروں اور تہذیب و تمدن کے ٹھیکیداروں کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دستور کی یہ ایک ہی دفعہ اور ایک ہی قانون اتنا فیاضانہ اور ہمدردانہ ہے کہ اگر اس کو تمام غیر دینی ترقی یافتہ حکومتوں اور انجمنوں کے نام ونہاد انسانی آئین کے بالمقابل رکھ دیا جائے تو انکی خونخوار درندگی خود غرضی کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آجائیگا کیوں کہ بعض ترقی پسندوں اور منکرین خدا نے اپنے ملکوں میں یہ قانون جاری کر رکھا ہے کہ میت کے ترکہ مال وجائداد کی وارث حکومت ہوگی اور میت کے تمام قرضوں کو اس کے ورثاء کو چکانا ہوگا تو گویا حکومت صرف مال و دولت اور نفع کی مالک ہے جب کہ بے چارے ورثاء نہ صرف ترکہ سے محروم ہوئے بلکہ قرضوں اور دوسرے نقصانوں کا بوجھ بھی ان کی پیٹھ پر لاد دیا گیا اس کے برخلاف اسلام اپنی رعیت کو نفع مال و دولت کا وارث قرار دیتا ہے اور یتیم ولاوارث بچوں کی پرورش و نگہداشت اپنے ذمہ لیتا ہے۔

(ج)۔ "بعثت انا والساعۃ کہاتین"۔

[1] خطبات مدراس ص۸۵ و ص۸۶۔

مقاربت کے معنی بیان کرتے ہوئے شیخ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک خود علامات قیامت آغاز کا ہے اس کے بعد دوسری نشانیاں ظہور پذیر ہوں گی تو آپ کے قول کے یہ معنی ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علاوہ قیامت تک کوئی نبی اور کوئی نئی امت پیدا نہیں ہوگی اور جب امت محمدیہ اپنا وقت پورا کر چکے گی تو اسی دن قیامت برپا ہو جائے گی"۔

مقاربت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں اور قیامت بہت قریب ہیں اور میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی مختصر فاصلہ ہے جتنا کہ سبابہ اور وسطی کے درمیان ہے حدیث باب میں مذکور "ویقرن بین اصبعیہ السبابۃ والوسطی" کا جملہ بتا رہا ہے کہ یہاں مقاربت کے معنی ہی زیادہ راجح ہیں۔

سوال ۱۷:۔ عن عبد اللہ بن مسعودؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلَا اِنَّ قِتَالَ الْمُؤمِنِ کُفْرٌ وَسِبَابَہٗ فِسْقٌ"

(الف)۔ مرجیہ کا تعارف کرانے کے بعد روایت بالا سے اس کا رد کیجئے۔

(ب)۔ اگر اس روایت سے خوارج کی تائید ہوتی ہے تو اس کا بھی تسلی بخش جواب دیجئے نیز "قتالہ کفر" کی ایسی موجہ تشریح کیجئے کہ ایمان کے بارے میں مسلک اہل حق سے اس کا ظاہری تعارض بالکلیہ رفع ہو جائے۔

جواب سوال ۱۷:۔

(الف)۔ فرقہ مرجیہ اپنے عقائد واوہام باطلہ کے لحاظ سے فرقہ معتزلہ کی ضد اور اس کا مدمقابل ہے خوارج ایسے تمام مسلمانوں کو کافر مرتد اور مخلد فی النار قرار دیتے ہیں جن کا دامن کبائر میں ملوث ہو گیا ہو لیکن مرجیہ نہ صرف صغائر و کبائر کی مضرت کے قائل نہیں بلکہ اعمال صالحہ کی افادیت کے بھی منکر ہیں چنانچہ معتزلہ ہر اس شخص پر مرجیہ کا اطلاق کرتے ہیں جو مرتکب کبائر کو مخلد فی النار نہ کہے۔

مرجیہ کے ذیل میں دیئے ہوئے پانچ شاخوں کے عقائد میں یہ عقائد تمام ہی میں قدرے مشترک پائے جاتے ہیں کہ ایمان صرف معرفت قلبی اور اقرار لسانی ہے اعمال صالحہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور توحید وایمان کی موجودگی میں معصیت اس عہد پر اثر انداز نہیں اور ان کبائر و صغائر پر آخرت میں بھی کوئی مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ جس طرح ایمان نہ ہونے کی صورت میں کوئی عمل واطاعت قابل منفعت نہیں ہوتی اسی طرح ایمان کی موجودگی میں کوئی معصیت بھی قابل مضرت نہیں ہوتی۔

مرجیہ ہی کے کچھ لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت قریش کیلئے مخصوص نہیں ہر مسلمان اس کا امیدوار ہو سکتا ہے اور بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ کفر محض جحود وانکار اور چاند وسورج اور بت کو سجدہ کرنا ہے اگر ایسا وہ نہ کرے اور دل میں کفر ہی ہو تو یہ علامت کفر تو ہو گی لیکن اس کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔

محمود الشیشی "الفرق الاسلامیہ" میں فرماتے ہیں[1] کہ کچھ حضرات کے نزدیک حسن بن محمد بن الحنفیہ یعنی حضرت علی کے پوتے نے یہ عقیدہ سب سے پہلے ظاہر کیا لیکن "الملل والنحل" میں ان کے عقائد کو دیکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی جب کہ ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ ارجاء کا عقیدہ بصرہ سے ظاہر ہوا اور حسان بن بلال فرنی اس عقیدے کا بانی تھا ——— اس کے علاوہ معدودے چند لوگوں نے ابوسلت سلمان کو بھی اس فرقہ کا بانی قرار دیا ہے۔

مرجیہ کے متعدد فرقے :۔

(۱)۔ یونسیہ :۔ یونس بن نمیر کی جانب منسوب ہے۔

(۲)۔ عبیدیہ :۔ یہ فرقہ عبید بن مہران مکتب کی جانب منسوب ہے جو اللہ تعالیٰ کی شکل کو انسانوں جیسی قرار دیتا تھا۔

(۳)۔ غسانیہ :۔ غسان کوفی کے نام سے موسوم ہے۔

(۴)۔ ثوبانیہ :۔ ابو ثوبان مرجی اس فرقے کا بانی ہے۔

(۵)۔ تومنیہ :۔ تومن مصر کا ایک گاؤں ہے اسی کے ایک شخص ابو معاذ تومنی کے نام پر اس فرقہ کو تومنیہ کہا جاتا ہے[1]

حضرت ابو وائل سے جب مرجیہ کے فرسودہ خیالات اور باطل عقائد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے اس کی تردید میں یہی حدیث باب "سباب المؤمن فسوق وقتاله کفر" پڑھ کر سنا دی مرجیہ کیونکہ معرفت قلبی اور اقرار لسانی کے بعد معاصی وکبائر کی حضرت کے بھی منکر ہیں لہٰذا حدیث مذکور سے ان کی صراحتاً تردید ہو گئی نیز مرجیہ کی تردید کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے "لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم

[1] ص۲۶ مرجیہ کی یہ ساری تفصیل الفرق الاسلامیہ للبشیشی، تاریخ المذاہب الاسلامیہ لابی زہرہ، الرفع والتکمیل للکنوی بتحقیق ابو غدہ حلبی اور الکوکب الدری و دیگر امہات الکتب سے ماخوذ ہے۔ ۱۲۔

رقاب بعض"

توان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ معصیت کی مضرت سے ایمان نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ بعض معاصی تو انسان کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں لہٰذا مرجیہ کا یہ عقیدہ سراسر باطل اور ایک واہمہ ہے۔

(ب)۔ خوارج چونکہ مرتکب کبائر پر تکفیر کا حکم لگاتے ہیں اور حدیث میں وارد ہوئے ایسے تمام الفاظ کو حقیقت کے معنی میں لیتے ہوئے حدیث باب "قتال المومن کفر وسبابه فسق" سے بظاہر اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہیں۔

لیکن ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث میں "قتال المومن کفر" دراصل "سبابه فسق" کے مقابلہ پر وارد ہوا ہے جس سے قتال مسلم کی تشدید وتغلیظ اور اس کی قباحت وشناعت کا اظہار مقصود ہے نہ قاتل مسلم کے کافر ہونے کا۔ کیونکہ سب وشتم کو فسق کا درجہ دینے کے بعد قتال مسلم کو بھی فسوق ہی سے تعبیر کر دیا جاتا تو قتال وفسوق کے مراتب کی نوعیت پوری طرح واضح نہ ہوتی اور مقصد کلام بھی حاصل نہ ہوتا اسلئے سباب سے درجات میں بلند وبرتر کرنے کیلئے قتال پر تغلیظاً کفر کا اطلاق کیا گیا ورنہ فی الحقیقت ایمان کی ضد کفر یہاں مراد نہیں۔

اب ذیل میں متعدد تاویلیں درج کی جاتی ہیں جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں نقل فرمائی ہیں :۔

(۱)۔ ایک تو یہ کہ اگر مسلمان سے حلال سمجھ کر قتال کیا جائے تو یہ حقیقتاً کفر ہے لیکن علامہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ نے امام نووی کے اس نقل شدہ جواب پر پُر وزنی اشکال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو حلال سمجھ کر تو گالی دینا بھی کفر ہے پھر قتال اور سباب میں کیا فرق رہ گیا لہٰذا یہ توجیہ صحیح نہیں[1]

(۲)۔ دوسری توجیہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں کفر سے ایمان کی ضد کفر مراد نہیں بلکہ کفر سے کفران نعمت مراد ہے یعنی قاتل مسلم نے اپنے سنگین جرم سے احسان اور نعمت کی ناشکری اور اسلامی برادری سے ایک طرح کی بغاوت کی ہے اسی لئے اسے کفر سے تعبیر کر دیا گیا[2]

[1] دیکھئے فتح الملہم جلد اول ص۲۳۷ [2] ملاحظہ کیجئے مسلم اول ص۵۸۔

(۳)۔ تیسرا جواب علامہ نووی یہ نقل فرماتے ہیں کہ قتال مسلم کیونکہ شناعت وقباحت اور نحوست میں کفر کی حدود تک پہونچا ہوا ہے اسلئے اس کو کفر سے تعبیر کیا گیا اسی کو الکوکب الدری میں اسطرح بیان کیا گیا ہے" والجواب عن القتال بالکفر لکونه اعظم الکبائر فکانه اذا قتل المسلم فقد کفر"[1]

(۴)۔ چوتھا قول امام نووی رح یہ نقل فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں قتال مسلم کو فعل کفار سے تشبیہ دی گئی ہے کہ قتال مسلم ایمان والے کی نہیں بلکہ کافر کی شان ہے ——— اسلئے بقول علامہ عثمانی کے یہاں تغلیظ وتشدید کیلئے قتال مومن کو کفر کہا گیا ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی قول زیادہ راجح اور باوزن ہے کیونکہ تغلیظ کیلئے کفر کے استعمال کی شریعت میں دوسری نظیریں بھی موجود ہیں اوران سب میں تغلیظ وتشدید کا پہلو ہی پیش نظر ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا "لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض"

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان قتل کرتے کرتے حقیقی کفر تک بھی پہونچ جاتا ہے علامہ کی یہ تحقیق باوزن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دقت نظر کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔

ہماری درج بالا مفصل تشریح سے حدیث باب کا مسلک اہل حق سے جو ظاہری تعارض تھا وہ بالکلیہ رفع ہوگیا۔

سوال ۱۸:۔ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ "هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ" اِلٰى قَوْلِهٖ "وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ" فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْهِ فَهُمُ الَّذِيْنَ عَنَاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ۔

(الف)۔ اعراب وترجمہ کے بعد محکم ومتشابہ کی تعریف مع مثال تحریر فرمائیے۔

(ب)۔ متشابہات احادیث بھی نقل کیجئے۔

---

[1] دیکھئے الکوکب الدری جلد ثانی صفحہ ۱۲۷۔ اس حدیث کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد سوم صفحہ ۳۶۵ ترمذی شریف جلد ثانی صفحہ ۸ کا حاشیہ، فتح الملہم جلد اول صفحہ ۲۳۷

(ج)۔ اوران تین اقوال "بعض قرآن محکم ہے بعض متشابہ" "کل قرآن محکم ہے" "کل قرآن متشابہ ہے" میں ہر قول کی مراد واضح کرکے قول راجح کو مدلل تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۱۸:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ ۵۸

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ روایت کرتی ہیں کہ (ایکمرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب واخر متشابهات الی قوله وما یذکر الا اولو الالباب" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناصحانہ انداز میں) فرمایا کہ اے عائشہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو (متشابہات میں) جھگڑتے ہیں تو (فوراً سمجھ لینا کہ) یہی وہ (بدنصیب) لوگ ہیں جن کو خداوند قدوس نے (فاما الذین فی قلوبهم زیغ الخ میں) مراد لیا ہے تو تم (تمام مسلمان) ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا (کیوں کہ اسی میں خیر وعافیت ہے)۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رح محکم کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:۔

"المحکم ما احکم مراده"[1]

ملا علی قاری ذرا دوسرے انداز سے تعریف کرتے ہیں:۔

"(المحکم) وهی ما امن من احتمال التاویل"[2]

علامہ آلوسی نے ذرا اور وضاحت سے کام لیتے ہوئے فرمایا:۔

"(المحکمات) واضحة المعنی ظاهرة الدلالة محکمة العبارة محفوظة من الاحتمال والاشتباه"[3]

اب ذیل میں اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ یا ایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم الخ

۲۔ یا ایها الذین آمنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سکری الخ

۳۔ یا ایها الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم الخ

متشابہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ سید انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں:۔

---

[1] دیکھئے فیض الباری جلد رابع صفحہ ۱۶۶ [2] دیکھئے مرقاۃ المفاتیح جلد اول صفحہ ۱۸۵ [3] ملاحظہ ہو روح المعانی الجزء الثالث صفحہ ۸۔

"المتشابه ما ابهم مراده"[1]

ملا علی قاری اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

"المتشابه ما يبلغ فی الخفاء غايته ولا يرجى معرفته"[2]

علامہ خطابی ذرا اور تفصیل کرتے ہیں:-

"ما اشتبه منها فلم يتعلق معناه من لفظه ولم ينزل حكمه من تلاوته"[3]

اب ذیل میں تشابہ کی مثالیں قلمبند کی جاتی ہیں[4]۔

۱- "الرحمٰن على العرش استوى"

۲- "كل شئ هالك الا وجهه"

۳- "يد الله فوق ايديهم" اور حروف مقطعات وغیرہ۔

(ب)- ذیل میں چند متشابہ احادیث نقل کی جاتی ہیں:-

۱- عن ابی هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الأخر يقول من يدعونى فاستجيب له من يسألنى فاعطيه من يستغفرنى فاغفرله (متفق عليه)۔

۲- عن ابی هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خلق الله الخلق فلما فرغ منه قامت الرحم فاخذت بحقوى[5] الرحمن فقال مه قالت هذا

---

[1] فیض الباری جلد رابع ص۱۶۶ [2] مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص۱۸۵ [3] دیکھئے عمدۃ القاری للعینی جلد ہشتم ص۵۱۵ [4] محکم اور متشابہ کی سیر حاصل بحث کیلئے دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی الجزء الثانی ص۲ تا ص۱۲ نیز دیکھئے سورۃ فاتحہ لابن تیمیہ، علوم القرآن لصالح صبیحی [5] حضرت عائشہ کی حدیث باب کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص۱۹۰، شرح السنہ جلد اول ص۲۲۰-۲۲۲، مظاہر حق جدید جلد اول قسط چہارم ص۱۸، ترمذی جلد ثانی ص۱۴۳، مسلم جلد ثانی ص۳۳۹ کی شرح نووی۔ فتح الباری جلد ہشتم ص۱۴۶-۱۴۷، ۱۴۵، بذل المجہود جلد خامس ص۱۸۹، فیض الباری جلد چہارم ص۱۶۶، عمدۃ القاری جلد ہشتم ص۵۱۵، تحفۃ الاحوذی جلد چہارم ص۸۰، معارف القرآن جلد دوم ص۲، روح المعانی للآلوسی الجزء الثالث ص۹۰-۹۲۔ نیز مذکورہ شروحات کے علاوہ محکم و متشابہ کیلئے مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی علوم القرآن کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے اور ایک مختصر رسالہ بحر العلوم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے "التوجه بما يتعلق بالمتشابه" اس کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہوگا [6] حقوین تثنیہ حقو بمعنی ذکر۔

مقام العائذ بك من القطيعة قال الا ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك قال بلى يارب قال فذلك (متفق عليه)

۳- عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان قلوب بنى آدم كلها بين اصبعين من اصابع الرحمن كقلب واحد يصرفه كيف يشاء ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك (مسلم)

(ج)- امام ابن حبیب نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے محکم و متشابہ پر بحث کرتے ہوئے اس ذیل میں تین مذاہب نقل کئے ہیں:-

۱- کل قرآن متشابہ ہے۔

۲- کل قرآن محکم ہے۔

۳- بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے۔

کل قرآن متشابہ ہے۔

ایک فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم اپنی ابتداء سے انتہا تک مکمل متشابہ ہے اور اس میں کوئی آیت در کوع اور کوئی مضمون و حکم نیز کوئی مفہوم بھی ایسا نہیں جو بہت زیادہ واضح ہو اور عقل انسانی اس کا پورے طور سے احاطہ و ادراک کر لیتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرمایا "کتابا متشابها مثانی" یعنی ہم نے ایسی کتاب کو نازل کیا جو متشابہ ہے اور بار بار پڑھی جاتی ہے تو مذکورہ آیت میں تشابہ کو کتاب کی صفت بنایا گیا جس سے کل اور جمیع قرآن کا متشابہ ہونا ثابت ہوتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اعلیٰ وارفع ہستی کی عظمت و رفعت تمام نقائص سے مبرا اور تمام عیوب سے منزہ ہونیکا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس کا کلام اپنی جامعیت و اختصار حقائق و دقائق اور فصاحت و بلاغت کے اس معیار پر ہو جہاں کمزور و نحیف اور ناتواں انسانوں کی ناقص عقل اور قوت ادراک جواب دے جاتی ہو نیز کل قرآن کو متشابہ تسلیم کرنے میں اس کے اعجازی پہلو کو بھی مزید تقویت ملے گی اور وہ زیادہ نکھر کر سامنے آئیگا۔

کل قرآن محکم ہے۔

ملت اسلامیہ کا ایک دوسرا فرقہ اس بات پر مصر ہے کہ جمیع قرآن محکم واضح اور معلوم المراد ہے اور اس میں کوئی معنی و مفہوم کوئی عبرت و نصیحت اور کوئی حکم و فرض بھی ایسا نہیں جو عقل انسانی کو حیران ذہن انسانی کو پریشان اور قوت ادراک کو مفلوج کر گیا ہو اور ابھی تک اس پر اجمال و اشتراک اور ابہام کے دبیز پردے پڑے ہوں کیونکہ رب العٰلمین خود فرماتا ہے "کتاب

احکمت آیاتہ" یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات واضح اور محکم ہیں تو مذکورہ آیت میں بغیر کسی استثناء کے قرآن پاک کی تمام آیات پر محکم ہونے کا اطلاق کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی کسی حقیقت و حکمت اور علم و معرفت کو پردہ خفاء میں نہیں رکھا گیا اور احکام و اصول پر ابہام و اشتباہ کا پردہ ڈال کر اس کی مراد اور اس کے منشاء و مقصد کو چھپا کر مخاطبین کو تکلیف مالایطاق کا مکلف نہیں بنایا گیا اور اس کو "بلسان عربی مبین" میں نازل فرما کر "ثم فصلت من لدنہ حکیم خبیر" کی صراحت فرما کر اس کے تمام حقائق و دقائق علوم و معارف اور اسرار و رموز سے پردہ اٹھا دیا گیا۔

اس کے علاوہ عقل و حکمت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ایک علیم و حکیم کے اس پیغام کو محکم واضح اور مشرح ہی ہونا چاہیے جس میں ہر سطح ہر درجہ اور ہر طبقہ کے انسانوں کو مخاطب بنایا گیا ہو کیونکہ اگر وہ متشابہ مبہم اور مجمل ہوگا تو مخاطبین کے واسطے تکلیف مالایطاق لازم آئے گی اور سیاق کلام نیز ارسال پیغام کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور مقامات اشتباہ آیات اجمال اور مضامین ابہام تقریباً منسوخ ہو کر رہ جائیں گے اسلئے اتنے سارے اعتراضات اور اشکالات سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ کل قرآن کو محکم واضح اور مشرح مانا جائے۔

بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے

امت کا سواد اعظم اس بات کا قائل ہے کہ بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے جمہور امت فرقہ اول کی طرح نہ تو قرآنی اعجاز کو اتنا طول دیتے ہیں کہ اس کی تعلیمات و ارشادات بے معنی ہو کر رہ جائیں اور اس کا مقصد و منشاء اشتباہ اجمال اور ابہام کی نذر ہو جائے اور نہ ہی فرقہ ثانیہ کی طرح توضیح و تشریح میں اتنی تنگ و دو اور حدود سے تجاوز کرتے ہیں کہ جس سے قرآن کی امتیازی شان اس کا انفرادی مقام نیز اس کی عظمت و رفعت متاثر ہو اور اس کے اعجازی کردار اور مثل لانے کے چیلنج کو کوئی صدمہ پہونچے۔

اسی لئے جمہور امت نے مقاصد قرآن اور پیغام اسلام کے پیش نظر جملہ نصوص صریحہ اور قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا کہ اس کا اکثر حصہ محکم اور اس کی انفرادیت اور اعجاز کی وجہ سے بعض متشابہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں رب جلیل نے خود فرمایا ہے "ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابہات الخ"۔

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ قرآن دو حصوں پر مشتمل ہے محکم اور متشابہ یعنی جو آیات محکمات ہیں درا صل ان پر ہی اسلامی احکام و ارکان کا دار و مدار ہے اور بقیہ دوسری آیتوں پر قرآن کو منفرد و ممتاز کرنے کیلئے اجمال ابہام اور اشتباہ کا پردہ ڈال دیا گیا ہے نیز حدیث شریف

میں آتا ہے" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل القرآن علی خمسۃ اوجہ حلال وحرام ومحکم ومتشابہ وامثال فاحلوا الحلال وحرموا الحرام واعملوا بالمحکم وآمنوا بالمتشابہ واعتبروا بالامثال"۔

یہ حدیث قرآن کے بعض محکم اور بعض متشابہ ہونے پر صریح دلالت کر رہی ہے نیز عقل و حکمت بھی اسی کی متقاضی ہے کہ دعوت و ارشاد وعظ و نصیحت اور اعمال و احکام کے واسطے قرآن کا ایک بڑا حصہ محکم اور واضح ہو اور عقل انسانی کے نقص و کوتاہی کو تسلیم کرانے اور اللہ تعالیٰ کی شان رفعت و عظمت کے اظہار کیلئے اس کا ایک چھوٹا حصہ مبہم اور متشابہ بھی ہو تاکہ دیگر کلاموں سے کلام اللہ کا ظاہری امتیاز بھی باقی رہے۔

سوال ۱۹:- عَنْ حُذَيْفَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلٰوةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ۔

(الف)۔ معنی خیز ترجمہ کرنے کے بعد بدعت کی ایسی تعریف کیجئے جس پر کوئی اشکال وارد نہ ہو۔

(ب)۔ بدعت پر ایک مختصر مقالہ لکھئے۔

(ج)۔ قبول اجابت اور قبول اصابت کی مع امثلہ تعریف نقل کرنے کے بعد بتلائیے کہ یہاں کونسی مراد ہے؟

جواب سوال ۱۹:- (الف)۔ حضرت حذیفہ رض بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کے روزہ نماز صدقہ حج عمرہ جہاد توبہ فدیہ (غرض یہ کہ کسی بھی عبادت) کو قبول نہیں فرماتا اور وہ (بدعتی) آٹے میں سے بال کی طرح اسلام سے نکل جاتا ہے (اور بدعت پر اصرار کرتے ہوئے زیادہ دنوں تک اسلام پر قائم نہیں رہ سکتا)۔

(ب)۔ بدعت کی تعریف کیلئے ملاحظہ ہو ص

یہ حقیقت ہے کہ امم سابقہ کی آسمانی کتابیں محفوظ نہ رہنے ان کی شریعتوں کے محرف ہونے اور تعلیمات الٰہیہ کے تغیر و تبدل میں جہاں مختلف وجوہ و اسباب کارفرما ہیں وہیں کچھ مفروضہ خیالات کی پرستش اپنے ہادیوں کی جانب بدعات و خرافات کی نسبت اور اتباع آرزو نے بھی ان کی تباہی و بربادی میں اہم رول ادا کیا ہے انبیاء کی تعلیمات پر جھوٹ و افتراء کے دبیز پردے ڈالنے خود ساختہ خیال خام پر تعلیمات نبوی کا لیبل لگا کر ان کی اشاعت کرنے نیز ان کے بلند

ثواب سمجھنے ہی کی وجہ سے ان کی شریعتیں معرفت الٰہی سے محروم محض بدعات وخرافات کا پلندہ بن کر رہ گئیں۔

اسی پس منظر کے تحت اسلام نے جہاں مختلف ومتعدد قیود وخطوط کے فلاح انسانی کیلئے ایک ہمہ گیر نظام پیش کیا ایمان وعمل کے گلشن کو مہکایا وہیں روز اول ہی سے اپنی خاتمیت وابدیت کے پیش نظر کڑی پابندی لگادی کہ شریعت اسلامی میں فاسد افکار وخارجی اوہام کی آمیزش ہرگز نہ کی جائے اور اسلام کے صاف وشفاف آئینہ کو بدعات وخرافات کی آلائشوں سے گندہ نہ کیا جائے اس کیساتھ ایک قاعدہ کلیہ مقرر فرمادیا کہ "کل محدثة بدعة" کے زمرے میں جو خیالات وعقائد بھی آئیں وہ "کل بدعة ضلالة" کا مصداق ہوں گے اور ان کا انجام "کل ضلالة فی النار" ہی ہوگا نیز دین میں کچھ گھڑنا اتنا سنگین جرم قرار دیا گیا کہ قرآن نے مشرکین کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اگر پیغمبر اپنی جانب سے کچھ گھڑلے تو اس جرم کی پاداش میں اس کی بھی رگ کاٹ دی جائے گی۔

بدعات وخرافات سے جہاں دین وپیغمبر پر افتراء لازم آتا ہے دین کا تکمیلی مرحلہ اور عقیدۂ خاتمیت متاثر ہوتا ہے وہیں ملت کی فکر وعمل کی قوتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں اور بدعت کی نحوست کی وجہ سے اس قوم پر فتنہ وفساد کو مسلط اور تمام خیر نیز انوار وبرکات کو سلب کرلیا جاتا ہے کیونکہ یہ قوم خدا کی غیرت اور نبی کی رسالت کو چیلنج کررہی ہے۔

اس کی شناعت وقباحت میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ اسلام نے خود اپنے ماننے والوں پر اتنی ذمہ داریاں عائد کی ہیں کہ ان کے بعد پھر مزید کسی ذمہ داری کو فطرت انسانی برداشت نہیں کرسکتی تو اگر اسلامی فرائض وواجبات کے علاوہ مزید کچھ ذمہ داریوں کا بوجھ بلاوجہ اپنے سر لے لیا جائے اور نئی نئی بدعات سے اس میں بھی اضافہ ہوتا رہے تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ وہ ان غیر فطری ذمہ داریوں سے پریشان ہوکر جب ان راہوں سے نکلنا چاہے گی تو تمام ہی دینی وغیر دینی ذمہ داریوں کو نباہنے سے صاف انکار کردے گی اور ایمانی واسلامی قیود سے آزاد ہوکر الحاد وارتداد اور لادینیت کے غاروں ہی پناہ دے گی۔

"نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم"

انھیں امور کی روک تھام کیلئے اسلام نے غلو فی الدین کی بھی تمام راہیں مسدود کرنا ضروری سمجھا کیونکہ اس سے وہ مزاج ومذاق پیدا ہوتا ہے جو آگے چل کر بدعات وخرافات کی نہایت خطرناک صورت اختیار کرلیتا ہے اسی لئے قرآن کریم نے افراط وتفریط کی راہوں سے بچانے کیلئے امت مسلمہ کو امت وسط سے ملقب کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیر الامور اوسطہا"

فرماکر اعتدال فی الدین کی تعمیل پر ابھارا کیونکہ بدعات وخرافات سے بچنے کا یہی صحیح اور سیدھا راستہ ہے۔

اب ہم ذیل میں چند دلائل نقل کررہے ہیں آپ درج بالا مضمون کو ان دلائل کی مدد سے ایک بسیط مضمون کی شکل دیجئے:۔

۱۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة (مسلم)

۲۔ عن عائشة رضی اللہ عنھا من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد (مسلم وبخاری)

۳۔ من سن سنة سیئة فعمل بھا کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا لاینقص من اوزارھم شیئا (ابن ماجہ)

۴۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (بخاری ومسلم)

۵۔ عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أبی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعتہ (ابن ماجہ)

۶۔ من دعا الی ضلالة کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ لاینقص ذلک من آثامھم شیئا (مسلم)

۷۔ عن حذیفة بن الیمان رض قال کل عبادة لم یتعبد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاتعبدوھا، فان الاول لم یدع للآخر مقالا فاتقوا اللہ یامعشر المسلمین وخذوا بطریق من کان قبلکم۔

۸۔ عن عبد اللہ بن مسعود رض کان یقول فی خطبتہ انکم ستحدثون ویحدث لکم فکل محدثة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔ (الاعتصام ج۱ ص ۷۶)۔

(ج)۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی "درس ترمذی" میں قبول اصابت کی تعریف یوں کرتے ہیں:۔

"کون الشئ مستجمعا لجمیع الشرائط والارکان"

یعنی عمل وامر دین کیلئے جن جن قیود ولوازمات کی شرط ہے وہ تمام کی تمام بیک وقت موجود ہوں تو اس معنی کے لحاظ سے یہ صحت کا مترادف ہے اور اسکا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے۔

قبول اصابت کی مثال:

۱- لایقبل اللہ صلوٰۃ حائض الا بخمار
۲- لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور ولاصدقۃ من غلول۔
قبول اجابت کی تعریف کرتے ہوئے مولانا عثمانی فرماتے ہیں:۔
"وقوع الشئ فی حیز مرضاۃ الرب سبحانہ وتعالیٰ"
یعنی اللہ کو یہ عمل اور یہ ادا پسند آئے اور وہ اس بندہ کیلئے آخرت میں ثواب کا ذخیرہ مقرر فرمادے تو اس کا نتیجہ صرف آخرت کا ثواب ہے۔

قبول اجابت کی مثال:

۱- من شرب الخمر لم تقبل لہ صلوٰۃ اربعین صباحًا۔
۲- ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ۔[1]
حدیث باب میں قبول سے قبول اجابت مراد ہے۔

سوال نمبر ۲۰:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَایَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ النَّاسِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ فَاِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔
(ب)۔ درج بالا حدیث کا "باب اجتناب الرای والقیاس" سے کیا مناسبت ہے، بیان کیجئے۔
(ج)۔ نیز اصولی طور پر لکھیں کہ رائے اور قیاس کے قابل قبول ہونے اور قابل اجتناب ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب سوال نمبر ۲۰:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (اس طرح) علم کو نہیں اٹھائیں گے کہ دفعۃً انسانوں سے اسے سلب کرلیں بلکہ (رفع علم کا انداز یہ ہوگا کہ) علماء کو (رفتہ رفتہ) وفات دیکر علم کو سلب کرلیں گے تو جب خداوند قدوس کسی عالم کو بھی (دنیا میں) نہیں چھوڑیں گے تو لوگ جاہلوں کو (اپنا پیشوا و) سردار بنالیں گے اور (عالم سمجھ کر) ان سے (مسائل شرعیہ) پوچھیں گے تو وہ جہلاء بغیر علم کے فتوے دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور (اپنے ساتھ ساتھ) دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔[2]

[1] دیکھیئے درس ترمذی للعثمانی جلد اول صفحہ ۱۵۲ — [2] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۳۴۰ شرح نووی بخاری جلد اول صفحہ ۲۰، فیض الباری جلد اول صفحہ ۱۶۷، فتح الباری جلد اول صفحہ ۱۶۳ اور صفحہ ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۷۴م

(ب)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ روایت "باب اجتناب الرای والقیاس" کے تحت ذکر کی ہے حدیث باب اور ترجمۃ الباب میں مطابقت یہ ہے کہ بغیر علم و معرفت کے مسائل شرعیہ میں قیاس و رائے زنی نیز اس میں فتوے دینا گمراہوں اور شیطانوں کا کام ہے اسلئے اس عمل قبیح سے اجتناب ضروری ہے اور ایسا قیاس صحت سے دور اور غلط ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامی پر ایک افتراء اور زبردست ہے کیونکہ قیاس کا حق اسی انسان کو ہوتا ہے جو ماخذ شریعت پر پوری طرح حاوی ہونے کیساتھ شریعت کی نزاکتوں اور اس کے مسائل کی علت حرام و حلال پر گہری نظر رکھتا ہو اور اس کو نور معرفت بھی حاصل ہو اس کے برخلاف جہلاء ان صلاحیتوں سے عاری اور ان علوم و معارف سے تہی دامن ہیں اسلئے ان کا قیاس اور فتوے دینا سراسر غلط اور اتباع آرزو پر مبنی ہے تو امام ابن ماجہ یہ تاکید فرمارہے ہیں کہ ایسے بے وقوفوں کو یہ روپہ نہیں اختیار کرنا چاہیئے اور اگر یہ نہیں مانتے تو تمام مسلمانوں کو ان کے قیاس اور ان کی صحبت و تعلق سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ یہ شیطانوں کے پیرو اور گمراہ قسم کے لوگ ہیں۔

(ج)۔ اصولی طور پر قیاس کے صحیح اور قابل قبول ہونے کیلئے صاحب اصول الشاشی نے پانچ شرطیں نقل فرمائی ہیں۔[1]

لایکون فی مقابلۃ النص۔
یعنی قیاس نص شرعی کے مقابل نہ ہو مثلاً ایک دیہاتی نے حضرت حسن بن زیاد سے نماز میں قہقہہ لگانے کے متعلق دریافت کیا حضرت حسن نے برملا جواب دیا کہ قہقہہ فی الصلوٰۃ ناقض وضو ہے دیہاتی نے حضرت کے جواب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی شخص بحالت نماز کسی پاکدامن عفیفہ عورت پر تہمت لگادے تو یہ عظیم ترین گناہ ہونے کے باوجود ناقض وضو نہیں تو قہقہہ سے وضو کیوں ٹوٹنے لگا دیہاتی کا یہ قیاس مردود ہے کیونکہ قہقہہ کے متعلق نص شرعی یعنی صدیق اکبر رض کی روایت موجود ہے جس میں صراحتاً نقض وضو کا تذکرہ ہے۔

۲- لایتضمن تغییر حکم من احکام النص۔
احکام نص میں سے کسی حکم کی تغییر کا سبب نہ بنے جیسا کہ تیمم پر قیاس کرکے وضو میں بھی نیت کو شرط قرار دیدیا جائے کیوں کہ اس طرح وضوء کی آیت مطلق سے مقید ہوکر تغییر لازم آتی ہے لہٰذا یہ بھی مردود ہے۔

۳- لایکون المعدّی حکماً لایعقل۔
بین المسلمین کی علت غیر مدرک بالعقل نہ ہو جیسے یہ کہنا کہ جس طرح اخراج ریح سبب

حدث ہے اور اس پر نماز کی بناء کرنا درست ہے اسی طرح احتلام بھی حدث ہے اسلئے اس
پر بھی بناء جائز ہونی چاہیئے حکم اصل کی علت ادراک نہ ہونے پر یہ قیاس بھی مردود ہے ۔

۴۔ لایقع التعلیل لحکم شرعی لا لامر لغوی۔
حکم شرعی کے اثبات کیلئے علت دریافت کی جائے نہ کہ لغوی امر کیلئے۔ مثلاً کوئی یوں کہے چور
کو سارق اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے دوسروں کا مال حاصل کرتا ہے تو وصف کی
بناء پر نباش کفن چور کو بھی سارق قرار دیا جائے اور اس پر قطع ید کی حد جاری ہو یہ قیاس کیونکہ
لغت سے متعلق ہے اسلئے امر شرعی میں اسکا اعتبار نہیں۔

۵۔ لایکون الفرع منصوصاً علیہ۔
فرع منصوص علیہ نہ ہو کیونکہ جب نص موجود ہے تو قیاس کی کوئی ضرورت نہیں مثلاً کفارہ قتل
پر قیاس کرتے ہوئے غلام کیساتھ کفارہ ظہار اور کفارہ قسم میں بھی مومن کی قید لگادی جائے تو
یہ قیاس مردود ہوگا کیوں کہ کلام اللہ میں ان کفاروں کو مطلق ذکر کیا ہے تو وہ مقید نہیں ہوگا۔

سوال ۲۱:۔ باب اجتناب الرأی والقیاس کے تحت ابن ماجہ نے متعدد روایات
ذکر کی ہیں "فاسئلوا فافتوا بغیر علم۔ العلم ثلاثة فما وراء ذلك فهو فضل
آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة۔ لم يزل امر بنی اسرائيل معتدلا
حتى نشأ فيهم المولدون ابناء سبايا الامم فقالوا بالرأى فضلوا واضلوا۔ من
افتى بفتيا غير ثبت فانما اثمه على من افتاه ۔

(الف) امام ابن ماجہ رح اس عنوان سے اہل ظاہر کیطرح ہر قسم کے قیاس کے اجتناب کو ثابت کرنا
چاہتے ہیں یا کسی خاص طرح کے قیاس اور رائے سے اجتناب کو ثابت کر رہے ہیں آپ جو
شق اختیار کریں احادیث تحت الباب سے اس کو ثابت کریں ۔

(ب) نیز خط کشیدہ الفاظ کی ایسی تشریح کیجئے جو مقصد باب کے عین مناسب ہو۔

جواب سوال:۔ ۲۱:۔ تمام علماء امت اور فقہاء ملت قرآن و حدیث اور اجماع امت کے بعد
قیاس کو بھی بالاتفاق ماخذ شریعت میں شمار کرتے چلے آئے ہیں اور اسلامی قانون سازی میں
اس کی غیر معمولی اہمیت کے ہمیشہ قائل رہے ہیں کیوں کہ صاحب فتاویٰ قاضی خان اور علامہ
عینی کے بقول یہ ناممکنات میں سے ہے کہ ہر ہر جزئی اور تمام فروعی مسائل کی تفصیل آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیان فرمائیں اور کسی قسم کے قیاس اور تنقیح مناط کی ضرورت ہی نہ
پڑے بلکہ نبی صرف اصول و کلیات اور کچھ فروعی مسائل کی مثالیں پیش کر کے ایسا آئین اور
دستور امت کے حوالہ کر دیتا ہے جس کی روشنی میں حاملین شریعت کسی بھی امر پر حلت و حرمت

کراہت اور استحباب کا حکم لگاتے ہیں عہد رسالت میں حضرت معاذ بن جبل، غزوہ بنی قریظہ اور
ابن عباس کی روایت میں نذر ہمشیر کے واقعات ہمیں اسی قسم کی مثالیں اور قیاس کی مشروعیت
کا پتہ دیتے ہیں اور اس سلسلے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کو قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے۔
"واذا حكم الحاكم فاجتهد واصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد واخطأ فله اجر واحد" [٥١]
اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ اور خلافت راشدہ میں بھی قیاس
برابر جاری وساری ہے اور صحابہ و تابعین کے سینکڑوں [illegible] اسکی مشروعیت کا منہ بولتا ثبوت
ہیں حضرت عمر رض ابو موسیٰ اشعری رض کے نام اپنے ایک خط میں غیر منصوص مسائل میں صراحتاً انھیں
قیاس کرنے پر ابھار رہے ہیں اور احتیاط کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں [٥٢]:۔
" الفهم الفهم فيما يختلج فی صدرك مما لم يبلغك فی الكتاب والسنة اعرف
الاشباه والامثال ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الى احبها الى الله واشبهها
بالحق فيما ترى الحديث [٥٣]"
یہی وجہ ہے کہ تمام محدثین و مفسرین اور فقہاء و مجتہدین اس کے جواز اور مشروعیت پر متفق ہیں
اور امت میں سے معتزلہ روافض اور خوارج جیسے گمراہ فرقوں کو ہی اس کے عدم جواز اور انکار
کی سوجھی اور انھوں نے صراحتاً قیاس کی تردید و تکذیب کی جب کہ اہل سنت والجماعت میں
سے صرف داؤد ظاہری رح ہی قیاس کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے جامع العلم
میں صراحت کی ہے فرماتے ہیں :۔
"لاخلاف بين فقهاء الامصار وسائر اهل السنة فی نفی القياس فی التوحيد
واثباته فی الاحكام الا داؤد فانه نفاه فيهما جميعاً" [٥٤]
اس سلسلے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے سخت موقف اختیار کیا اور منکرین قیاس کو
علماء فقہاء کے زمرہ ہی سے خارج کر دیا اور تہذیب الاسماء میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرماکر

---

[٥١] دراسات اللبیب ص٥٤ بحوالہ دار قطنی و بیہقی دیکھئے فتح المبین ص٣٣ [٥٣] ترجمہ:۔ ان تمام غیر
منصوص مسائل میں ذرا پھونک پھونک کر قدم رکھنا جو تمہارے دل و دماغ میں خلجان پیدا کریں اور
ایسے مسائل میں منصوص شبیہوں اور مثالوں پر غور کر کے قیاس کرو پھر ان قیاسی امور میں تمہارے نزدیک
جو چیز حق سے زیادہ قریب اور اللہ کو زیادہ پسند ہو اسی پر مسئلہ کی بنیاد رکھو۔ [٥٤] حصول المامول ص٨٦
بحوالہ فتح المبین فی مکائد غیر المقلدین۔

قیاس کی مشروعیت پر آخری مہر لگادی اور اب مزید لب کشائی گنجائش نہیں چھوڑی۔

"قال امام الحرمین الذی ذھب الیه من اهل التحقیق ان منکری القیاس لایعدون من علماء الامة وحملة الشریعة"

پھر آگے فرماتے ہیں:۔

"وھولاء ملتحقون بالعوام"[1]

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب فیصلہ کیجئے کہ امام ابن ماجہ جیسے متبحر عالم مطلق قیاس کی نفی اور اس کی مشروعیت اور جواز کلی کیسے انکار کر سکتے ہیں جب کہ عہد رسالت سے آج تک تمام علماء اس کے قائل ہیں اور ابن عبد البر کی تحقیق کے مطابق صرف داؤد ظاہری ہی اس کے منکر نظر آتے ہیں۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ امام ابن ماجہ نے اپنے ترجمۃ الباب "باب اجتناب الرای و القیاس" میں خود اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قیاس کے سلسلے میں میرا بھی وہی مسلک ہے جو جمہور علماء حق کا ہے اور میں محض اسی قیاس کی حرمت و کراہت کو بیان کر رہا ہوں جو دلائل شرعیہ سے قطع نظر صرف رائے پر مبنی ہو امام نے رائے کو مقدم اور قیاس کو اسی لئے مؤخر کیا ہے کہ صرف رائے کے ذیل میں آنے والا قیاس ناقابل قبول اور مردود ہے راقم سطور کی اس تحقیق کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عام طور پر رائے کا لفظ عربی زبان میں اسی وقت بولا جاتا ہے جب کہ آگے پیچھے کوئی دلیل نہ ہو اور محض نفس کے تقاضے سے کوئی اعتقاد قائم کر لیا جائے اور اس میں بشری زلتوں کے ساتھ ساتھ اتباع آرزو کی بھی آمیزش ہو شریعت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ "من قال فی القرآن برایه فلیتبوأ مقعده من النار"[2] نیز "من قال فی القرآن برایه فاصاب فقد اخطأ"۔ اور ایک مرتبہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسر نفسی کے طور پر خود اس کے فرق کو صاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اذا امرتکم بشیٔ من امر دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیٔ من رائی فانما انا بشر"[3]

---

[1] فتح المبین صـ۳۳ [2] ترمذی ابوداؤد [3] مسلم ۱۲

اسی لئے امام ابن ماجہ نے اسی حکمت کے پیش نظر ترجمۃ الباب ہی میں قیاس کو معطوف اور رائے کو معطوف علیہ بنا کر اشکالات و اعتراضات کی ساری گتھیاں سلجھا دیں پھر اسی ذیل میں ایسی احادیث لائے کہ جو کچھ تھوڑا بہت تردد و تذبذب تھا وہ بھی بالکلیہ رفع ہو گیا۔

چنانچہ پہلی حدیث میں بغیر علم فتوے دینے اور صراحتاً رائے زنی کا تذکرہ ہے اور وہ بالاتفاق قابل مذمت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ علم تو تین ہیں آیت محکمہ سنت قائمہ فریضہ عادلہ اسلئے ہر مسئلہ کو انہیں دو علوم کی روشنی میں پرکھا جائے گا جو ان کے مطابق ہوگا وہ فریضہ عادلہ کے زمرہ میں آئے گا اور ان کے سواء باقی سب رائے اور غیر ضروری قیاس ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں اور ان سے اجتناب لازم ہے۔

تیسری حدیث میں بھی محض رائے کی بدولت گمراہی و ضلالت و سفاہت کا ذکر ہے اور یہ وعید بھی بے علم قیاس کیساتھ مقید ہے اس سے بھی قیاس کے سلسلے میں جمہور کے مسلک پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

چوتھی حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں ایک زبردست تنبیہ و وعید موجود ہے جو بغیر کسی دلیل شرعی کے مسئلہ بتائے یہاں بھی قیاس بالعلم کی کہیں مذمت و حقارت نہیں بلکہ مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ قیاس بالنسبت جائز ہے۔

(ب)۔ فریضة عادلة

فریضہ عادلہ سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو اصول و استخراج کی بنیاد پر قرآن و سنت سے ماخوذ و مستنبط ہوں اور پھر ان کی حقانیت پر علماء امت کا اجماع بھی ہو گیا ہو بے اصل جہلاء کے قیاس اور ان کی محض رائے زنی کے تحت قائم ہونے والی آراء پر فریضہ عادلہ کا اطلاق نہیں ہوگا کیوں کہ فریضہ عادلہ قرآن و سنت میں رسوخ ہو جانے کے بعد علم کی سب سے آخری منزل ہے جب کہ جہلاء قرآن و سنت سے تہی دامن اور اس کے ذوق و مزاج سے ناآشنا ہیں تو پھر مسائل فقہیہ میں ان کی رائے اور قیاس کا کیونکر اعتبار و اعتماد ہوگا۔

نیز ایسا ہی قیاس قابل قبول ہوگا جو فریضہ عادلہ کے زمرہ میں آتا ہو اور اس کی بنیاد ماخذ شریعت ہی ہوں اور اس اصول سے ہٹ کر اور اس زمرے سے بچ کر جو قیاس ہوگا وہ قابل اجتناب اور مردود ہوگا۔

لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلا

بنی اسرائیل جب تک دین و شریعت کے سلسلہ میں علماء حق کے تابع و پیرو رہے اور جبتک

ان کی باگ ڈور علماء کے ہاتھوں میں رہی وہ اعتدال اور میانہ روی کیساتھ دین پر قائم و دائم رہے
اوران کی پایۂ استقلال میں کسی طرح کی لغزش پیدا نہیں ہوئی لیکن جب آوارہ فاحشہ عورتوں سے
انھوں نے نسل کشی کی اوران سے نئی نسل کی بنیاد پڑی تو یہیں سے ان میں سے بگاڑ و فساد کا آغاز
ہوا کیونکہ ان طوائف عورتوں کے جو جو اثرات رونما ہونے تھے وہ ہو کر رہے اور ان کے زہریلے
جراثیم اور ضرر رساں عناصر پورے طور سے ان کی نسلوں اور معاشرہ کے رگ و ریشہ میں سرایت
کر گئے اوران کی نحوست سے جہاں علوم و معارف اخلاص و عمل اور انوار برکات رخصت ہوئے وہیں
رائے زنی قیاس بلا دلیل اور جہلاء کی فاسد آراء اور اوہام باطلہ نے پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں
لے لیا اوران کے نام ونہاد علماء نے قیاس و رائے زنی کا وہ بازار گرم کیا کہ اس کے دبیز پردوں
میں شریعت و امور دین چھپ کر رہ گئے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اس ترجمۃ الباب کے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس طرف توجہ
دلانا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ کو بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی سے درس عبرت لینا چاہیے اور
بنی اسرائیل کی طرح ہر منصوص و غیر منصوص مسائل میں رائے زنی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ جس
قوم میں بھی رائے زنی اختراع ذہنی حقیقی شریعت سے بے رخی اور بتقاضائے نفس مسائل
گھڑنے کا دروازہ کھل جائے تو نہ صرف اس کا آسمانی تعلق منقطع ہو جاتا ہے بلکہ فتنہ و فساد جنگ
و جدل اور تباہی و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور یہی طور پر اس قوم سے حکمت و معرفت
کو سلب کر لیا جاتا ہے اور انوار الٰہی و برکات سماوی سے محروم و مایوس کر دیا جاتا ہے کیونکہ رائے
اور قیاس کی بے پناہ کثرت کے موقع پر اصل شریعت پر عمل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

من افتی غیر ثبت
یعنی جس نے بغیر کسی دلیل نقلی اور ثبوت شرعی کسی دینی مسئلہ میں محض اپنی رائے اور بے اصل
قیاس کی بنیاد پر فتویٰ دیا تو اس کا اور اس پر عامل تمام انسانوں کا گناہ انہی نام و نہاد مفتی پر
ہوگا کیونکہ جب مسائل کے استخراج اور اجتہاد کی صلاحیتوں و لیاقتوں سے وہ محروم ہے اور
شریعت کے مبادیات و اصول اور اس کی باریک بینیوں سے قطعاً ناواقف ہے تو اسکو استخراج
مسائل اور استنباط و اجتہاد کا کوئی حق نہیں پہونچتا اور ایسا اجتہاد محض رائے زنی دین کی
شان میں گستاخی اور ایک قسم کی جسارت ہے جو سراسر باطل ناجائز اور غیر مقبول ہے اور اس
سے بالکلیہ احتراز و اجتناب لازم ہے۔

سوال ۲۲:۔ عن عبد اللہ بن عمر رضـ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم ثلاثۃ فما وراء ذلک فھو فضل آیۃ محکمۃ او سنۃ قائمۃ

او فریضۃ عادلۃ۔
(الف) علوم کی انواع بہت ہیں پھر حدیث میں تین کی تحدید کیوں فرمائی گئی؟
(ب) ترجمۃ الباب "باب اجتناب الرای والقیاس" سے حدیث کی کیا مناسبت ہے؟
(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

جواب سوال ۲۲:۔ (الف) حدیث باب میں جو تین کی تحدید فرمائی گئی اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
"ھذا ضبط و تحدید لما یجب علیھم بالکفایۃ"[1]
یعنی فرض واجب کفائی کی تحدید مراد ہے۔
علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں وہ علوم مراد ہیں جو انسان
کو اخروی فلاح دلا دیں تو وہ صرف یہ تین ہی ہیں۔
یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث باب میں علوم و معارف کے منابع و مشارب کی تحدید کی گئی ہو کہ اصل
الاصول علم تو صرف تین ہی ہیں باقی علوم کی متعدد و مختلف انواع انھیں تین علوم کی فروع اور
انھیں کے ذیل میں آنیوالی متعدد شاخیں ہیں۔
(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث "باب اجتناب الرای والقیاس" کے تحت
ذکر کی ہے حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت یہ ہے کہ ان تین علوم کے علاوہ باقی سب زائد
از ضرورت اور فضول کی قبیل سے ہیں جو نہ دین میں داخل ہیں اور نہ دینی امور میں ان کی کوئی
ضرورت ہے تو ایسے غیر ضروری مسائل میں رائے زنی اور بے اصل قیاس سے اجتناب ضروری
ہے جن میں دینی نقطۂ نظر سے کوئی افادیت اور کوئی منفعت نہ ہو اور ایسے ہی علم کے بارے میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع" نیز ابوداؤد کی
ایک روایت میں حضرت معاویہ رضـ فرماتے ہیں کہ "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عن الاغلوطات" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تمام امور سے منع فرمایا کرتے تھے
جو سائل مسئول اور عام انسانوں کو پریشان کرنے کے ساتھ ساتھ دین میں کھود و کرید اور
رائے زنی کا دروازہ کھولتے ہوں کیونکہ یہی تجسس آگے چل کر رائے زنی اور گمراہ قیاس کی
صورت اختیار کر لیتا ہے اور بہت سی گمراہیوں اور بد اعتقادیوں کو جنم دیتا ہے اس لئے
ایسے تمام امور قابل اجتناب ہیں تو حدیث میں وارد "فما وراء ذلک فھو فضل"، ہی
ترجمۃ الباب ہے نیز "فریضۃ عادلۃ" سے بھی ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس ترجمہ
میں یہ روایت ذکر کر کے امام ابن ماجہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ دین میں صرف وہ ہی قیاس

[1] دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ شاہ ولی اللہ رح جلد اول

معتبر ہے جو معدول من الکتاب والسنہ ہو اور اس پر فریضہ عادلہ کا اطلاق ہوتا ہو اور اس کے علاوہ تمام آراء اور قیاس قابل اجتناب واحتراز ہے۔

(ج) آیۃ محکمۃ

آیت محکمہ کے تحت علماء کی مختلف تعبیرات ہیں جو ذیل میں بعینہ نقل کیجاتی ہیں:۔

محشی شرح السنہ فرماتے ہیں:۔

"والآیۃ المحکمۃ ھی کتاب اللہ واشترط فیہا الاحکام لان من الآی ما ھو منسوخ لایعمل بہ وانما یعمل بناسخہ"[1]

ملا علی قاری رح آیت محکمہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"ای غیر منسوخۃ او ما لا یحتمل الا تاویلاً واحداً"[2]

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے اس ٹکڑے سے حکم مستنبط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یجب معرفۃ القرآن لفظاً ومعرفۃ محکمہ بالبحث عن شرح غریبہ و اسبابہ نزولہ و توجیہ معضلہ وناسخہ ومنسوخہ"[3]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انھیں مذکورہ توجیہ کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

"المراد بہ کتاب اللہ تعالیٰ وباحکامہا ثبوتہا وان لا تکون منسوخۃ"[4]

آیت محکمہ کے بارے میں تمام علماء ہی مذکورہ اقوال پر متفق ہیں جن میں صرف کتاب اللہ ہی مراد ہے۔

سنۃ قائمۃ

اس کی تفسیر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

"ای ثابتۃ صحیحۃ منقولۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمول بہا او للتنبع"[5]

حضرت شاہ ولی اللہ رح حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:۔[6]

"والسنۃ القائمۃ ما ثبت فی العبادات والارتفاقات من الشرائع والسنن مما یشتمل علیہ علم الفقہ والقائمۃ مالم ینسخ ولم یھجر ولم یشذ راویہ وجری علیہ جمھور الصحابۃ والتابعین"

اسی کی تفسیر میں محشی شرح السنہ فرماتے ہیں:۔

[1] دیکھئے شرح السنہ جلد اول ص۲۹۱ [2] مرقاۃ جلد اول ص۲۴۵ [3] التعلیق الصبیح جلد اول ص۱۵۱ [4] بذل المجہود جلد رابع ص۱۰۱ [5] مرقاۃ جلد اول ص۲۴۵ [6] حجۃ اللہ البالغہ اول ص۱۷۱۔

"ھی الثابتۃ مما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من السنن المرویۃ"[1]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح اس کی تفسیر ذرا دوسرے انداز سے فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ای ثابتۃ اسناداً بان تکون صحیح النسبۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[2]

مذکورہ بالا تمام اقوال کو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے محض چند الفاظ میں سمیٹتے ہوئے فرمایا:۔

"فھی الثابتۃ المعمول بہا"[3]

مذکورہ بالا اقوال سے سنت قائمہ کے تین معنی کی وضاحت ہوئی ایک یہ کہ سنداً صحیح ہوں محکم ہوں منسوخ نہ ہوں یا پھر دائم العمل ہوں دلائل کی روشنی میں پہلے دو قول زیادہ راجح ہیں۔

فریضۃ عادلۃ

فریضہ عادلہ کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ رقم طراز ہیں:۔

"والفریضۃ العادلۃ الانصباء للورثۃ ویلحق بہ ابواب القضاء مما سبیلہ قطع المنازعۃ بین المسلمین بالعدل"[4]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح اس ذیل میں دو قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔[5]

۱۔ "احدھا ان یکون من العدل فی القسمۃ فیکون عبارۃ عن السھام والانصباء المذکورۃ فی الکتاب والسنۃ"

۲۔ دوسرا قول:۔

"والآخر ان یکون ھذہ الفریضۃ تعدل مما اخذ من الکتاب اذا کانت فی معنی ما اخذ منہما نصاً"

ملا علی قاری اس ذیل میں تین اقوال نقل فرماتے ہیں:۔[6]

۱۔ قیل المراد بہا الحکم المستنبط من الکتاب والسنۃ بالقیاس لمعادلتہ الحکم المنصوص فیہما ومساواتہ لہما فی وجوب العمل وکونہ صدقاً وصواباً۔

۲۔ وقیل فریضۃ معدلۃ بالکتاب والسنۃ ای مزکاۃ بہما۔

۳۔ وقیل الفریضۃ العادلۃ ما اتفق علیہ المسلمون۔

یہ تیسرا قول عبداللہ بن عمروہ سے منقول ہے۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی شاہ ولی اللہ اور مولانا سہارنپوری کے پہلے قول پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر فریضہ عادلہ سے سہام مقدرہ کو مراد لیا جائے تو اس کے

[1] شرح السنہ اول ص۲۹۱ [2] بذل المجہود جلد رابع ص۱۰۱ [3] التعلیق الصبیح جلد اول ص۱۵۸ [4] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص۱۷۲ [5] بذل المجہود جلد رابع ص۱۰۱ [6] مرقاۃ اول ص۲۴۵۔

الگ ذکر کرنے میں کوئی تخصیص نہ رہے گی کیونکہ سہام تو سب قرآن وحدیث میں مذکور ہیں اسلئے وہ آیت محکمہ اور سنت قائمہ کے تحت آجائیں گے لہٰذا صحیح یہی ہے۔

"الفریضة العادلة هی الحکومة المقدرة المعدلة بالکتاب والسنة و هی المستنبطة بالقیاس"

لہٰذا مولانا کاندھلوی کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔[1]

سوال:۲۳ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَلَصَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاٰمِنُوْا فَمَا مُجَادَلَةُ اَحَدِکُمْ لِصَاحِبِهٖ فِی الْحَقِّ یَکُوْنُ لَهٗ فِی الدُّنْیَا اَشَدَّ مُجَادَلَةً مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لِرَبِّهِمْ فِیْ اِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ اُدْخِلُوا النَّارَ قَالَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِخْوَانُنَا کَانُوْا یُصَلُّوْنَ مَعَنَا وَیَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَیَحُجُّوْنَ مَعَنَا فَاَدْخَلْتَهُمُ النَّارَ فَیَقُوْلُ اِذْهَبُوْا فَاَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ مِنْهُمْ فَیَاْتُوْنَهُمْ فَیَعْرِفُوْنَهُمْ بِصُوَرِهِمْ لَا تَاْکُلُ النَّارُ صُوَرَهُمْ فَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ النَّارُ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ اِلٰی کَعْبَیْهِ اِلٰی آخر الحدیث۔

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) مومن اپنے پروردگار سے کیسے جھگڑے گا وضاحت کیجئے۔

(ج) کیا نجات کیلئے نفس ایمان کافی ہے اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذاہب قلمبند کیجئے۔

جواب سوال ۲۳:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ (حساب وکتاب کے بعد) مومنین کو نجات دیں گے اور وہ (تمام شدتوں اور سختیوں سے) مامون ومحفوظ ہو جائیں گے تو (انکا اللہ تعالیٰ سے اتنا سخت مجادلہ ومنازعہ ہوگا کہ) دنیا میں تم آپس میں بھی کسی حق پر اتنا نہ جھگڑے ہوگے جتنا کہ (اس روز) مومنین اپنے دوزخی بھائیوں کے بارے میں اللہ سے جھگڑیں گے مومنین (حجت پیش کرتے ہوئے) کہیں گے کہ اے خداوند قدوس تو نے ہمارے ان بھائیوں کو (آخر کس جرم کی پاداش میں) دوزخ میں ڈال دیا جو ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھتے روزہ رکھتے اور حج کرتے تھے (ان اعمال صالحہ کی بناء پر ہم تو تیرے فضل سے جنتی بن گئے لیکن یہ کیوں دوزخ میں ڈال دیئے گئے جب کہ اعمال میں ہم دونوں مساوی ہیں) تو اللہ تعالیٰ (ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے) فرمائیں گے (اچھا جاؤ (اپنے ان تمام بھائیوں کو بھی) دوزخ سے نکال لو جن کو تم (مومن سمجھتے اور) پہچانتے ہو پس وہ خوشی خوشی آئیں گے اور ان کی (ایمانی) صورتوں سے انھیں پہچان لیں گے کیونکہ

(ان کے ایمان کی وجہ سے) آگ نے ان کے چہروں کو (کوئی) نقصان نہ پہونچایا ہوگا تو ان میں کچھ (تو) ایسے ہوں گے جن کی صرف آدھی پنڈلیوں تک ہی آگ (اثرانداز) ہوگی اور کچھ کو ٹخنوں تک جلا چکی ہوگی الی آخر الحدیث۔

(ب) حدیث باب میں مجادلہ سے مراد یہ نہیں کہ مومنین حقیقتاً اس روز خداوند قدوس سے محاربہ ومنازعہ کرنے لگیں گے بلکہ یہاں مجادلہ ضد التجاء اور بہم اصرار کے معنی میں واقع ہوا ہے کیونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بخاری و مسلم کی روایت میں مناشدہ کے الفاظ آئے ہیں جن کے معنی عموماً توجہ دلانا اور مطالبہ کرنے ہی کے آتے ہیں۔

تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت وشفقت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ مومنین اپنے بھائیوں کے بارے میں خداوند قدوس سے جھگڑا کریں گے اور ان کے دخول جنت اور خلاص جہنم کا اصرار والتجاء کریں گے اور یہ اصرار والتجاء ایک قسم کے جھگڑے ہی کی شکل ہوگی جس طرح کہ بچہ اپنے والدین سے منازعہ ومجادلہ کرتا ہے تو وہ اس کو نہ صرف کہ کچھ کہتے نہیں بلکہ اس کی ان بچگانہ اداؤں سے محظوظ ہوتے ہیں اسی طرح رب جلیل بھی بندوں کے اس طفلانہ اصرار وضد اور ان کے باہم اخوت ومحبت کے مظاہرے پر نہ صرف یہ کہ غضبناک نہیں ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے اور ان کی اس درخواست کو قبول فرمائیں گے اور تمام عاصی مسلمانوں کو جہنم سے خلاصی نصیب فرمائیں گے۔

نیز یہ امر بھی واضح رہے کہ چھوٹے کا بڑے سے جھگڑنا اور اس سے کسی کے بارے میں ضد و اصرار کرنا چھوٹے کی جرأت طاقت کی نہیں بلکہ اس کی محبوبیت اور بڑے کی کمال رحمت و شفقت کی دلیل ہے۔

(ج) فرق باطلہ میں مرجیہ کرامیہ اور جہمیہ کا یہ مذہب ہے کہ نجات کیلئے محض ایمان علم ومعرفت اور تصدیق ہی کافی ہے اعمال صالحہ نہ تو شرط ہیں اور نہ ہی نجات کیلئے ضروری ہیں۔

ان حضرات کی دلیلیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار (بخاری ومسلم)

۲۔ من شہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان عیسی عبد اللہ ورسولہ وان عیسی عبد اللہ ورسولہ وابن امتہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنة والنار حق ادخلہ اللہ الجنة علی ما کان من العمل (بخاری ومسلم)۔

۳- ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة قلت وان زنى وان سرق قال وان زنى وان سرق ثلثاً (بخاری و مسلم)

۴- عن عبادة بن صامت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من شهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله حرمه الله عليه النار (مسلم)۔

۵- عن جابر رض قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يشرك بالله شيئاً دخل النار ومن مات لا يشرك بالله شيئاً دخل الجنة (مسلم)

۶- من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة (مسلم)۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اوائل وہلہ میں نجات کیلئے اعمال صالحہ ضروری ہیں اور ان کے بغیر اوائل وہلہ میں محض ایمان کی بنیاد پر نجات نہ ہو سکے گی جب کہ نجات عن الخلود کیلئے صرف ایمان وتصدیق ہی کافی ہے۔ حضرت مولانا ریاست علی صاحب چند درج بالا احادیث نقل کرنے کے بعد اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں:۔

"معلوم ہوا کہ نجات عن الخلود کیلئے صرف تصدیق بھی کافی ہے ہاں اگر اوائل دخول کی طلب ہے تو اس کیلئے اعمال کی بھی ضرورت ہوگی کیونکہ نجات عن الخلود کے لئے تو تصدیق کا دھندلا سا نقش بھی کافی ہے۔ جب قیامت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش کی اجازت دی جائے گی تو ارشاد ہوگا جس کے قلب میں جو کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو جس کے دل میں گیہوں کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو تا آنکہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے نکال لو چنانچہ ان تمام لوگوں کو نکالنے کے بعد اعلان ہو جائے گا اب ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو جنت میں آنے کا مستحق ہو اس کے بعد حق جل مجدہ فرمائینگے اب ہمارا نمبر ہے اور خداوند قدوس ان لوگوں کو نکال لیں گے جن کے پاس تصدیق تو تھی مگر عمل کی روشنی بالکل نہ تھی یہ لوگ اپنے پاس تصدیق کا اتنا دھندلا نقش رکھتے تھے جس کو پیغمبر علیہ السلام کی نگاہ بھی نہ دیکھ سکی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا ایک وہ بھی درجہ ہے جو صرف منجی عن النار ہے[۱]۔"

اہل سنت والجماعت ان حضرات کی تمام دلیلوں کو دوسری دلیلوں کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ درج بالا تمام احادیث میں خلود فی النار کی نفی ہے اوائل وہلہ میں دخول جنت کی ضمانت نہیں لہٰذا ان کا استدلال درست نہیں۔

سوال نمبر ۲۴:۔ عن جندب قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ونحن فتيان حزاورة فتعلمنا الايمان قبل ان نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن فازددنا به ايمانا۔

(الف) حدیث شریف کا مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) ایمان کے سلسلے میں متعدد مذاہب مع دلائل نقل کرنے کے بعد بتائیں کہ ایمان کمی زیادتی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟

(ج) اگر "لا یزید ولا ینقص" کو حنفیہ کا مذہب تسلیم کر لیا جائے تو بتائیے کہ حضرات حنفیہ اس حدیث کا کیا جواب دیں گے؟

(د) ایمان و اسلام کے فرق کی وضاحت کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۲۴:۔

(الف) حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نو عمری اور عنفوان شباب ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (آپ کے تعلیمی حلقوں میں شریک رہتے) تھے تو اس دوران) ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) ایمان سیکھا پھر (جب) ہم نے قرآن سیکھا تو اس سے (ہمارے) ایمان میں (مزید) اضافہ ہوا۔

(ب) ایمان کے سلسلے میں ذیل میں متعدد و مختلف مذاہب نقل کئے جاتے ہیں:۔

۱- فرقہ مرجیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور وہ محض تصدیق قلبی ہے اسلئے بندے میں حقیقت بسیطہ موجود ہونے کی وجہ سے اب ایمان کیلئے اقرار باللسان کی بھی شرط نہیں اور ان حضرات کے نزدیک اعمال صالحہ کی افادیت اور اعمال سیئہ کی مضرت بھی کوئی حقیقت نہیں بلکہ محض تصدیق کی حالت میں بھی بندہ ان تمام وعدوں اور بشارتوں کا مستحق و مخاطب ہے جو قرآن و حدیث میں مومنین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں "وان زنی وان سرق" جیسی تمام احادیث ان لوگوں کی دلیل ہیں۔

۲- دوسرے فرقہ کرامیہ کے بارے میں علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فانهم زعموا ان الاقرار باللسان يكفي للنجاة" یعنی ایمان محض اقرار باللسان کا نام ہے چاہے یہ اقرار تصدیق قلبی کیساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو دونوں صورتوں میں کامل مومن قرار دیا جائے گا "من قال لا اله الا الله دخل الجنة" جیسی تمام احادیث سے یہ استدلال کرتے ہیں جن میں محض اقرار کی صراحت ہے اور معرفت و تصدیق کا کوئی تذکرہ نہیں۔

۳- فرقہ جہمیہ اس بات کا قائل ہے کہ ایمان محض علم و معرفت ہے اور تصدیق و اقرار کی کوئی ضرورت نہیں اذا كان العلم، المعرفة في قلوبه فهو مؤمن كامل الايمان - من مات

وهو يعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة وغیرہ یہ بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔

۴۔ خوارج اور بعض معتزلہ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے مرکب ہے لہٰذا ان تین میں کسی ایک کا بھی تارک ان کے نزدیک کافر ہے اور مرتکب کبائر بھی کافر و مرتد کے حکم میں ہے "لایزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن" وغیرہ ان حضرات کی دلیلیں ہیں۔

۵۔ معتزلہ کی اکثریت بھی ایمان کو تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے مرکب مانتی ہے لیکن مرتکب کبائر اور ان امور ثلثہ کے تارک کو وہ اسلام سے تو خارج مانتے ہیں مگر کفر میں داخل نہیں کرتے کیونکہ توحید موجود ہے بلکہ وہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک درجہ؛ منزل کے قائل ہیں لہٰذا ایسے تارکین و مرتکب کبائر کو وہ اسی درجہ کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔

۶۔ مذکورہ مذاہب میں کچھ تو افراط پر اڑے ہوئے ہیں اور کچھ تفریط کا شکار ہیں اور دونوں ہی گمراہیوں کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں اسلئے صحیح مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے ان حضرات میں بھی دو فریق ہیں:۔

۱۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جمہور فقہاء اور بعض متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے اور وہ تصدیق قلبی ہے لیکن اقرار باللسان اس کیلئے شرط ہے اور اعمال بالجوارح مکمل ایمان ہیں اس کے اجزاء نہیں اور تارک اعمال نیز مرتکب کبیرہ فاسق ہے کافر نہیں۔

۲۔ حضرات شوافع فقہاء، محدثین اور جمہور امت اس طرف گئے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور اعمال بالجوارح سے مرکب ہے اور ان امور ثلثہ کا تارک فاسق ہے کافر نہیں۔ "بنی الاسلام علی خمس الخ" اور "الایمان بضع وثلاثون شعبة" وغیرہ جمہور امت کی دلیلیں ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں فرق حق کے مذہب کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں میں بالکل تضاد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے درمیان جو بسیط و مرکب ہونے میں اختلاف ہے یہ صرف لفظی ہے اور تعبیرات کا فرق ہے وہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان اس وجہ سے مرکب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بنی الاسلام علی خمس الخ" اور "الایمان بضع وثلاثون شعبة الخ" وغیرہ وغیرہ اور

حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں یہ سب ایمان کے مکملات ہیں اختلاف لفظی ہونیکا مطلب یہ ہے کہ احناف یہ نہیں کہتے کہ تارک اعمال سیدھا جنّت میں جائیگا جیسا کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیگا پھر اس کے بعد اس کو نجات ملے گی اور حضرات محدثین و شافعیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ تارک اعمال جہنم میں جائیگا مگر مخلد فی النار نہیں ہوگا تو دونوں کے قول کا مآل ایک ہی نکلا ہے[1]

جب دونوں کا مقصد و مذہب یکساں ہے اور محض تعبیرات الفاظ کا فرق ہے تو پھر دونوں نے ایک ہی تعبیر استعمال کیوں نہیں کی تاکہ ان حضرات پر اعتزال اور مرجئہ کا الزام عائد نہ ہوتا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ان اہل حق کا مقابلہ ہر دور میں فرق باطلہ سے رہا ہے اور ان حضرات نے ہمیشہ زمانہ کی مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے چنانچہ امام اعظمؒ کے دور میں معتزلہ کا اثر تھا انتہا یہ کہ حکومت کا مسلک بھی اعتزال تھا امام اعظمؒ نے تقاضائے عصر کے اعتبار سے معتزلہ کی پوری مخالفت کی معتزلہ نے اعمال کو جزء ایمان بتایا تو امام نے انھیں ایمان ہی سے خارج کر دیا اور جب امام شافعی علیہ الرحمہ کا دور آیا تو کرامیہ سے مقابلہ تھا اسلئے امام شافعی نے فرمایا تم اعمال کو ایمان سے بالکل بے تعلق بتلاتے ہو میں کہتا ہوں کہ اعمال داخل ایمان ہیں اور اگر اعمال نہ ہوں تو ایمان خطرے میں آجاتا ہے"[2]

حضرات محدثین اور جمہور امت ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:۔

(۱) واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایماناً۔ (۲) فزادھم ایماناً۔ (۳) فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایماناً۔ (۴) فاما الذین آمنوا فزادتھم ایماناً (۵) ویزداد الذین آمنوا ایماناً (۶) ولیزدادوا ایماناً مع ایمانھم۔ (۷) وما زادھم الا ایماناً وتسلیماً۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک ایمان کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا یہی قول امام ابو حنیفہؒ کیجانب منسوب و مشہور ہے لیکن صاحب ایضاح البخاری اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اصل تو یہ ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمہ سے "لایزید ولاینقص" کا ثبوت ہی دشوار ہے کیونکہ جن تصانیف پر اعتماد کر کے اس قول کی نسبت امام علیہ الرحمہ کی طرف کی گئی تحقیق کی روشنی میں امامؒ کی جانب غلط مثلاً فقہ اکبر امامؒ کیطرف منسوب ہے لیکن پتہ یہ ہے کہ یہ امام کے تلمیذ ابو مطیع بلخی کی تصنیف ہے جو فقہاء کی نظر میں بلند مرتبہ بھی لیکن محدثین کی نگاہ میں کمزور ہے اسی طرح العالم والمتعلم الوصیہ اور دوسری امام اعظمؒ کی طرف منسوب ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ تک ان کی نسبت کی صحت محل کلام ہے"

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فیض الباری میں یہی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس

[1] دیکھئے تقریر بخاری جلد اول صفحہ ۱۰۰ ایمان کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۱۶۲ روح المعانی جلد اول صفحہ ۹۵-۹۶ الکوکب الدری جلد ثانی صفحہ ۱۱ کا حاشیہ نمبر ۵ ترجمان السنہ جلد اول صفحہ ۱۹۹ انوار الباری جلد دوم صفحہ ۱۳ تقریر بخاری جلد اول صفحہ ۹۹ ایضاح البخاری جلد ثانی صفحہ ۱۲۱ درس بخاری جلد اول صفحہ ۱۱۱ مرقاۃ المفاتیح جلد اول صفحہ ۲۳ تحفۃ الاحوذی جلد ثالث صفحہ ۳۴۵ التعلیق

وضاحت کی روشنی میں قریب تھا کہ میں "الایمان لایزید ولا ینقص" کی امام کی طرف نسبت کا صاف انکار کر دیتا مگر بروقت مجھے ابوعمر و مالکی کی شرح مؤطا میں یہ تصریح ملی کہ انھوں نے بھی یہی بات کہی ہے اور اس قول کو امام اعظم کے استاذ حماد کی جانب منسوب کیا ہے لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ "لایزید ولا ینقص" احناف کا ثابت شدہ مذہب ہے اور فی الحقیقت یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ مولانا ساجد صاحب بستوی کے الفاظ میں "ایمان تو فی الاصل اللہ کیساتھ ایک عہد ہے اور عہد کسی قسم کی کمی زیادتی کا متحمل نہیں ہوتا۔"

(ج) حضرات حنفیہ کمی و زیادتی کے ایسے تمام دلائل اور حدیث باب کے متعدد جواب دیئے ہیں:۔
ایک جواب تو یہ ہے کہ گذشتہ آیات اور حدیث باب میں اصل ایمان کے اعتبار سے زیادتی و کمی مراد نہیں بلکہ کمال ایمان کے لحاظ سے زیادتی و نقص مراد ہے کیونکہ بقول علامہ سید انور شاہ کشمیری اور علامہ عثمانی کے کہ زیادتی و نقصان کے قائلین بھی خود کمال ایمان کی زیادتی و نقصان کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسرا جواب فتح الملہم میں اس طرح دیا گیا ہے کہ درج بالا تمام دلائل میں نور ایمان کی کمی و زیادتی مراد ہے اکمل ایمان کی نہیں اور اس نور کی شریعت میں بہت سی نظائر موجود ہیں مثلاً "افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ" تو آیت مذکورہ میں شرح صدر سے اعمال صالحہ کی توفیق دینا ہے اور ان اعمال صالحہ ہی سے نور ایمان کی شعاعیں اور کرنیں پھوٹتی ہیں جو حالات و زمانے اور بندوں کی کیفیات ایمانیہ کی بناء پر مدھم اور تیز ہوتی رہتی ہیں۔

۳۔ تیسرا جواب حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جس طرح تصدیق الجنان بالا بدمن تصدیقہ پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث جبرئیل "ان تومن باللہ الخ" میں کیا گیا اسی طرح حلاوت و بشاشت اور سکینت و طمانیت پر بھی ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اور قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ "انزل السکینۃ فی قلوب المومنین" اور "فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین" وغیرہ لہٰذا درج بالا آیات اور حدیث باب میں اسی طریقہ پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے حقیقتاً نہیں۔

(د) "قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا" اور "ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین" نیز حدیث "ای الاعمال افضل فقال الاسلام فقال ای الاسلام افضل فقال الایمان" وغیرہ جیسی نصوص سے ایمان و اسلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) کشف الباری ص[illegible] فضل الباری [illegible] اول ص[illegible] اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک مستقل رسالہ "کتاب الایمان" کے عنوان سے تصنیف کیا ہے جو مصر و دیگر عرب ممالک میں [illegible] چھپا ہے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ ۲ه دیکھئے ایضاح البخاری جزء ثانی ص۱۳۲ ۳ه ایضاح البخاری جزء ثانی ص[illegible]

فرق محسوس ہوتا ہے اسی بناء پر علماء سے دونوں کی الگ الگ تعریفات مروی ہیں۔
شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں:۔
"الاسلام عمل والایمان تصدیق"[۱]
اسی کو مولانا ادریس کاندھلوی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔
"الایمان عبارۃ عن التصدیق بالقلب فقط والاسلام عبارۃ عن التسلیم بالقلب والعمل بالارکان"[۲]
حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ذرا دوسرے انداز سے ان دونوں کا فرق بیان کرتے ہیں:۔
"فالاسلام علی جارحہ لم یسر ذلک الی باطنہ والایمان فی قلبہ ولم یرق ھذا الی ظاھرہ"[۳]
حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ اسلام کے لب لباب اور عمدہ ترین اجزاء کا نام ہی ایمان ہے۔
علامہ خطابی اور علامہ عینی کی بھی تقریباً یہی رائے ہے لیکن علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء العلوم میں ایمان و اسلام کے خصوص و عموم کی تردید کی ہے واللہ اعلم۔
اس سلسلے میں علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں:۔

"والحق ان الایمان عبارۃ عن التصدیق کقولہ تعالیٰ وما انت بمؤمن لنا ای بمصدق والاسلام عبارۃ من التسلیم و للتصدیق محل خاص وھو القلب واما التسلیم فانہ عام فی القلب واللسان والجوارح فکل تصدیق تسلیم ولیس کل تسلیم تصدیقا فمجب اللغۃ ان الاسلام اعم والایمان اخص"۔
حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام نے اپنی اس عبارت میں ایمان و اسلام کے فرق کو بیان کرنے

[۱] دیکھئے التعلیق الصبیح جلد اول ص۱۳ [۲] ایضاً ص۱۴ [۳] فیض الباری جلد اول ص۶۹

کیساتھ ساتھ ہماری مذکورہ تشریح اور علماء کرام کے تمام اقوال کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور اس زوردار فیصلہ کیساتھ اب مزید لب کشائی کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

سوال ۲۵:۔ حدثنا سَهلُ بن اَبِی سَہلٍ وَمُحَمَّدُ بن اِسمٰعِیل قَالَا حَدثنا عَبدُ السَّلامِ بن صَالِح اَبُو الصَّلت الھَروِیُّ ثنا عَلِیُّ بنِ مُوسیٰ الرِّضیٰ عَن اَبِیہِ عَن جَعفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ عَن اَبِیہِ عَن عَلِی بن الحُسَین عَن أبِیہِ عَن عَلِیِّ بن اَبِی طالب رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ الاِیمَانُ مَعرِفَۃٌ بِالقَلبِ وَقَولٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالاَرکَانِ۔

(الف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اشیاء ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے قائلین بساطت ایمان اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں اور اپنا مستدل کیا پیش کرتے ہیں؟

(ب) معرفت قلب اور تصدیق میں کیا فرق ہے وضاحت کیجئے۔

(ج) اس حدیث کی سند پر ائمہ حدیث نے جو کلام کیا ہے اس کو بھی تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۲۵:۔

(الف) قائلین بساطت ایمان حدیث باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ایمان کامل تین اشیاء سے ہوتا ہے یعنی محض ایمان تو تصدیق قلبی سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن لاجراء الاحکام الدنیویہ اس کے ساتھ اقرار باللسان شرط ہے اور اعمال بالجوارح سے اس کی تکمیل ہوتی ہے حدیث باب میں تکمیل ایمان ہی مراد ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایمان اشیاء ثلاثہ سے مرکب ہے۔

قائلین بساطت ایمان کی دلیلیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم۔

۲۔ وقلبہ مطمئن بالایمان۔

۳۔ یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان۔

۴۔ ھل شققت قلبہ

وجہ استدلال یہ ہیکہ اگر ایمان مرکب ہوتا تو محل ایمان قلب نہیں بلکہ یہ تمام اشیاء ثلاثہ ہوتیں جب کہ آیات اور حدیث میں صراحتاً ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی گئی ہے جس سے ایمان کے بسیط ہونے کیطرف واضح اشارہ ہے۔

(ب) معرفت قلب اور تصدیق کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ولیس بتصدیق الا ان یلون اختیارا" او "معہ تسلیم فلیس بعلم ولا معرفۃ یتعلق بالمغیبات"[۱]

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ذرا بسیط پیرائے میں بیان کرتے ہیں:۔

"فان کان حاصلاً بالقصد والاختیار بحیث یستلزم الاذعان والقبول فھو تصدیق لغوی وان لم یکن کذالک کمن وقع بصرہ علی شئ فعلم انہ جسد امثلا فھو معرفۃ یقینیۃ ولیس بتصدیق لغوی"[۲]

یعنی معرفت قلب اور تصدیق میں فرق ہے کہ معرفت محض حق کو جاننے اور پہچاننے کا نام ہے اس کیلئے ضروری نہیں کہ اس حق کی تصدیق بھی کیجائے جیسا کہ عہد رسالت کے یہود یا ہرقل کو معرفت قلب حاصل تھی لیکن تصدیق سے وہ محروم رہے جب کہ تصدیق میں ضروری ہے انسان حق کو پہچان کر اس کی تصدیق کرے اور اس کی حمایت میں سرگرم ہو جائے یہی عین ایمان ہے اور اسی کے متعلق علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان جان لینے کا نہیں بلکہ مان لینے کا نام ایمان ہے۔

(ج) اس حدیث کی سند پر حضرات محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل نے زبردست کلام کیا ہے کیونکہ اس کے طبقہ رواۃ میں ایک راوی ابوالصلت عبدالسلام بن صالح موجود ہیں جن پر محدثین اعتماد کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہیں اب ہم ذیل میں ابوالصلت کا تعارف اور ان کے کردار کی وضاحت کیلئے محدثین کے متعدد اقوال نقل کر رہے ہیں:۔

۱۔ قال العقیلی (فی ابی الصلت) انہ کذاب۔

۲۔ قال ابن الجوزی فی ھذا الحدیث "موضوع وابو الصلت عبد السلام بن صالح متھم لایجوز الاحتجاج بہ"

۳۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں ابوالصلت کے بارے میں امام دارقطنی

---

[۱] دیکھئے فیض الباری جلد اول ۴۸ بدر الساری ۲ [۲] ملاحظہ ہو روح المعانی جلد اول ۹۵ ۱۲۔

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے" قال الدارقطنی (فی ابی الصلت) رافضی خبیث متهم بوضع حدیث" الایمان اقرار بالقول "۔

۴۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب" میں امام دارقطنی کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے "قال ابوالحسن (ای دارقطنی) وروی حدیث الایمان اقرار بالقول وهو متهم بوضعه لم یحدث به الا من سرق منه فهو الابتداء فی هذا الحدیث"

۵۔ علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الدیباجہ فی شرح سنن ابن ماجہ" میں فرماتے ہیں (هذا الحدیث) "موضوع"۔

۶۔ علامہ ابن رجب زبیری رح نے بھی اپنی شرح "شرح سنن ابن ماجہ" میں اس حدیث کے موضوع ہونے میں ابن جوزی سے اتفاق کیا ہے۔

۷۔ ان تمام آراء کے پیش نظر علامہ سندھی علیہ الرحمہ یہ فیصلہ فرماتے ہیں "اسناد هذا الحدیث ضعیف لاتفاقهم علی ضعف ابی الصلت"

۸۔ اس کے برخلاف علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں "والحق انه لیس بموضوع وابوالصلت وثقه ابن معین رح وقال لیس ممن یکذب"

علامہ سیوطی رح نے جہاں اس حدیث کی صحت میں ابن معین کی توثیق کا سہارا لیا ہے وہیں تہذیب الکمال سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس حدیث کے بہت شواہد ومتابعات جمع کئے گئے ہیں۔

۹۔ ہمارے محترم استاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے دوران درس اس حدیث پر بسیط کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چاشنی حلاوت وفصاحت عموماً حدیث میں ہوتی ہے وہ اس میں بالکل نہیں ہے بلکہ یہ عبارت محدثین کے ذوق کے مطابق ایمان سے متعلق سلف کے عقیدہ کی تعبیر معلوم ہوتی ہے اسلئے ابوالصلت پر کی گئی بدترین جرح اور الفاظ روایت کے در وبست پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ روایت کا درجہ کیا ہو سکتا ہے؟

دور حاضر کے جلیل القدر محدث حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی (پاکستان) اپنی کتاب "ماتمس الیه الحاجه لمن یطالع سنن ابن ماجه" میں ان مذکورہ اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی راجح قول امام دارقطنی ہی کا ہے کیونکہ حافظین (ابن حجر وذہبی) نے قول دارقطنی کو نقل کرنے کے بعد اس کی بالکل تردید نہیں کی۔

احقر کی سمجھ میں بھی یہ بات آتی ہے کہ ذہبی اور ابن حجر جیسے معتدل ناقدین کا اتنی سخت جرح کو

برداشت کر جانا اور تردید نہ کرنا اس کے موضوع ہونے اور ابوالصلت کے ناقابل اعتبار ہونے کی جانب ایک واضح اشارہ ہے۔

سوال ۲۶:۔ طاؤس یقول سمعت اباهریرۃ رض یخبر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال احتج آدم وموسی فقال له موسی یا آدم انت ابونا خیبتنا واخرجتنا من الجنۃ بذنبك فقال له آدم یا موسی اصطفاك اللہ بكلامه وخط لك التوراۃ بیده اتلومنی علی امر قدر اللہ علی قبل ان یخلقنی باربعین سنۃ فحج آدم موسی الخ۔

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) کیا ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینا درست ہے اگر نہیں تو آدم علیہ السلام نے کیوں لیا؟

(ج) آدم وموسیٰ ع کے زمانوں میں بون بعید پایا جاتا ہے پھر یہ مناظرہ کس طرح ہوا؟

جواب سوال ۲۶:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت طاؤس رح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ خبر دیتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (باذن خداوندی) حضرت آدم وموسیٰ ع نے (باہم) بحث ومناظرہ کیا تو موسیٰ ع نے (پہل کرتے ہوئے) کہا کہ اے آدم آپ (ہی) ہمارے (تمام انسانوں کے) باپ ہیں (تو اس ابوت کا آپ نے یہ صلہ دیا) کہ ہمیں خائب وخاسر کیا اور اپنے گناہ کی پاداش میں ہمیں جنت سے نکلوا دیا آدم ع نے (فوراً جواب دیتے ہوئے) کہا اے موسیٰ (تم کو اللہ نے نبی بنایا اور) اپنی ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا (کلیم اللہ کے عظیم شرف سے نوازا) اور تمہاری (جانب نازل کی جانے والی) توراۃ کو اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا تو (ان تمام الہامی علوم اور معرفت قدر ہوئے بھی) تم مجھے اس پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل ہی (میرا) مقدر فرما دیا تھا پس (اپنے اس معجزانہ جواب سے) آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے "فحج آدم موسیٰ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔

(ب) ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینا نہ صرف یہ کہ درست نہیں بلکہ بدترین گناہ ہے کیونکہ اگر تمام عاصی اور جرائم پیشہ لوگ اپنے آپ کو معصوم اور بے گناہ ثابت کرنے کیلئے تقدیر کا سہارا لینے لگیں اور اپنے تمام جرائم اور افعال سیئہ کو محض تقدیر کا نتیجہ قرار دیکر اکتساب کا سرے سے انکار کر دیں تو قانون عالم کے ساتھ یہ بدترین مذاق ہوگا اور شریعت اسلامیہ کی حدود و

تعزیرات بالکل بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر سے سہارا لینے کی دو قسمیں ہیں:[1]

۱۔ ایک تو یہ کہ معاصی پر جری ہونے اور اپنی شرمندگی مٹانے کیلئے اس فعل شنیع کو تقدیر سے منسوب کر دیا جائے اور اپنے آپکو تقدیر کے تابع بتا کر بے قصور ثابت کیا جائے تو یہ عظیم ترین گناہ ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ توبہ واستغفار اور ندامت کے باوجود قلب مطمئن نہ ہو تو مسئلہ تقدیر سے سہارا لے کر دل کو کچھ تسلی دے لی جائے تو یہ امر مستحسن ہے۔

اب آدم علیہ السلام پر ہونے والے اشکال کا جواب دیتے ہوئے علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:[2]

"اجیب بان الممنوع انما هو ما کان فی دار التکلیف وتلك المناظرة وقعت بعد الخروج عنه"

یعنی ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینے کی ممانعت اس دار التکلیف میں ہے اور یہ مناظرہ دار التکلیف سے رحلت فرمانے کے بعد واقع ہوا لہٰذا عالم برزخ میں تقدیر کا سہارا لینے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مولانا عبد الغنی مجددی علامہ نووی ملا علی قاری اور مولانا قاسم نانوتوی بانئ دار العلوم سے بھی یہی جواب منقول ہے۔

احقر عرض گذار ہے کہ اس دار التکلیف میں رہتے ہوئے آدم علیہ السلام نے کبھی تقدیر کا سہارا نہیں لیا تھا بلکہ بلا پس و پیش اپنی لغزش کا اعتراف کرتے ہوئے رب جلیل کے حضور میں ہاتھ اٹھا دیئے تھے:۔

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین"

۱؎ دیکھئے فیض الباری جلد چہارم ص۲۰۶ ۲؎ ایضاً ص۲۰۶ ۔۱۲

(ج) علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "ارشاد الساری" میں اس مکالمہ کی متعدد صورتوں کا ذکر فرمایا ہے[1] ذیل میں ہم ان صورتوں کو مزید تشریح کیساتھ اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دنیاوی زندگی میں رب جلیل نے آدم علیہ السلام کو زندہ فرما دیا یا محض ان کی روح کو دنیا میں بھیج دیا گیا اس طرح دونوں حضرات کی ملاقات ہو گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی روح کو منجذب کر کے اس عالم میں پہونچا دیا گیا ہو جہاں حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے[2]

۲۔ بعض اہل علم کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دنیاوی زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے تمام ظاہری و دنیاوی حجابات اٹھا دیئے گئے اور دونوں کو ملاقات کا موقع دیا گیا۔

۳۔ کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے یہ ملاقات بقدرۃ اللہ خواب ہی میں کر لی کیوں کہ انبیاء کا خواب وحی کے قائم مقام ہوتا ہے جب کہ بعض حضرات کی یہ تحقیق ہے کہ معراج کی رات کو یہ مکالمہ ہوا۔

۴۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مکالمہ اب تک واقع ہی نہ ہوا ہو اور عالم آخرت میں محشر میں وقوع پذیر ہو اور جہاں تک اس اعتراض کا سوال ہے کہ اس پورے واقعہ کو ماضی کے صیغوں کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا جو زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ صیغہ ماضی زمانہ گذشتہ پر ہی دلالت کرے بلکہ بسا اوقات وہ محقق اور وقوع پذیر امر پر یقین کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور استقبال کے معنی دیتا ہے جیسے "ونادی اصحٰب الجنة اصحٰب النار۔ وقال الشیطٰن لما قضی الامر۔ قالوا لم نك من المصلین" وغیرہ۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں علامہ عینی کے ساتھ ہیں۔

۵۔ محدث کبیر علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عالم برزخ میں یہ ملاقات روحانی طور پر ہوئی علامہ قابسی کی بھی یہی رائے ہے۔[3]

۱؎ دیکھئے قسطلانی جلد ہفتم ص۱۵۰ ۲؎ تفہیم الاشتات جلد اول ص۱۰۱ ۳؎ دیکھئے بخاری جلد ثانی ص۹۷۹ کا حاشیہ نمبر ۶۔

ملا علی قاری اس توجیہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عند دبہما کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ مناظرہ عالم علوی میں روحانی ہی ہوا ہے[1]۔

احقر کی ناقص رائے بھی یہی ہے کہ مذکورہ بالا توجیہات کے باوزن ہونے کے ساتھ ساتھ ابن عبدالبر کی توجیہ زیادہ راجح قرین قیاس اور مؤید بالاحادیث ہے[2]۔

سوال ۲۷ :- عَنْ عَائِشَةَ رَضِ قَالَتْ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی جَنَازَۃِ غُلَامٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ طُوْبٰی لِھٰذَا عُصْفُوْرٌ مِنْ عَصَافِیْرِ الْجَنَّۃِ لَمْ یَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ یُدْرِکْہُ وَقَالَ ۴ اَوْ غَیْرُ ذٰلِکَ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ لِلْجَنَّۃِ اَھْلًا خَلَقَھُمْ لَھَا وَھُمْ فِیْ اَصْلَابِ آبَاءِھِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَھْلًا خَلَقَھُمْ لَھَا وَھُمْ فِیْ اَصْلَابِ آبَاءِھِمْ۔

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) مشرکین کے نابالغ بچوں کے سلسلے میں اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذہب مدلل قلمبند کرتے ہوئے ان فرقوں کے دلائل کا مسکت جواب بھی تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۲۷ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رض روایت کرتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچے کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے بلایا گیا تو (اس موقعہ پر) میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس (لڑکے کے لئے راحت و سکون کی) بشارت ہے (اور وہ تو فی الحقیقت) جنت کی ایک چڑیا ہے (کیونکہ) اس نے (کوئی) برائی تو کیا ہی نہیں اور نہ (مکلف ہونیکا) زمانہ ہی پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تنبیہ کرتے ہوئے) فرمایا عائشہ! کیا اس کے علاوہ (مزید بڑھکر

---

[1] مرقاۃ جلد اول ص۱۳۳ [2] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے التعلیق الصبیح للکاندھلوی جلد اول ص۷۶-۷۷ مرقاۃ المفاتیح للقاری جلد اول ص۱۳۳ بخاری شریف جلد ثانی ص۹۷۹ کا حاشیہ ۹ فیض الباری جلد چہارم ص۲۰۵ تا ص۲۰۷ ترجمان السنۃ جلد سوم ص۷۔ شرح عقیدۃ الطحاویہ ص۹۷۔ تحفۃ الاحوذی جلد سوم ص۱۹۵-۱۹۶۔ کشف الحاجہ ص۱۲۷۔ فتح الباری جلد ہشتم ص۳۰۳ علامہ ابن قیم نے احتجاج آدم و موسیٰ پر بڑا بسیط کلام کیا ہے سیر حاصل بحث کیلئے دیکھئے کتاب شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل لابن قیم ص۱۳ تا ص۱۹

کچھ ہو گی یا اسی پر بس کرتی ہو یعنی تمہیں بے سوچے سمجھے فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حقیقت حال کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق کو جنت کیلئے پیدا فرمایا (اور ان کیلئے جنت اسی وقت مقدر کر دی گئی جب کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی پشت ہی میں تھے (اسی طرح) اللہ تعالیٰ نے جہنم کیلئے کچھ انسانوں کو پیدا فرمایا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھے (اور انھوں نے کوئی نافرمانی و معصیت بھی نہیں کی تھی)۔

(ب) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاد مشرکین میں اصل الاصول تین مذاہب ہیں[1]۔

ا۔ امت کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ اطفال مشرکین کے بارے میں کچھ کہنا اور انھیں جنتی یا دوزخی قرار دینا قطعاً صحیح نہیں بلکہ اس مسئلہ میں توقف اور کف لسان کرنا چاہیئے کیونکہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذراری المشرکین کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے توقف کرتے ہوئے فرمایا "اللہ اعلم بما کانوا عاملین"[2] نیز حدیث باب کا جملہ "او غیر ذلک یا عائشۃ" بھی بظاہر توقف پر دلالت کر رہا ہے۔

بذل المجہود اور انوار المحمود میں صراحت ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں توقف کے قائل ہیں۔

متوقفین کے دلائل کا جواب

امام توربشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اللہ اعلم بما کانوا عاملین" حضور ص کا اس وقت کا ارشاد ہے جب کہ اطفال مشرکین کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اب جبکہ انکے بہشتی ہونیکا حکم نازل ہو گیا تو یہ حدیث منسوخ ہو گئی اب اس سے توقف پر استدلال کرنا قطعاً درست نہیں[3] علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی جواب دیا ہے[4] حدیث باب "عصفور من عصافیر الجنۃ" کے بارے میں بھی امام توربشتی رح نے کہا کہ یہ بھی اس وقت کا ارشاد ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت امر کا علم نہ تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اتنی سختی سے کیوں منع کیا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام نووی رح فرماتے ہیں:۔

---

[1] دیکھئے مسلم جلد ثانی شرح نووی ص۳۳۷ [2] بخاری و مسلم [3] تعلیق جلد اول [4] علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر بڑا بسیط کلام کیا ہے اور تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے دس سے زیادہ اقوال نقل فرمائے ہیں دیکھئے فتح الباری جلد سوم ص۱۹۵-۱۹۶۔ ۱۲

"نہاھا عن المسارعة الی القطع من غیر ان یکون عندھا دلیل قاطع کما انکر علی سعد بن ابی وقاص فی قولہ اعطہ انی لاراہ مومنا قال او مسلما"[1]

یعنی تنبیہ کی وجہ توقف نہ تھی بلکہ امور غیر منصوصہ پر بغیر دلیل قطعی کے فیصلہ کرنے کی ممانعت تھی لہٰذا اس حدیث سے توقف پر استدلال کرنا قطعاً درست نہیں۔

۲- دوسرا مذہب یہ ہے کہ مشرکین کے وہ تمام بچے جو عہد طفولیت میں ہی انتقال کر گئے وہ اپنے کافر آباء واجداد کے تابع ہو کر ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ خوارج کا ایک فرقہ فرقہ ازارقہ جو سب خوارج سے زیادہ متشدد اور متغلغل ہے اور جو نافع بن ازرق کی طرف منسوب ہے وہ بڑی شدت سے اس مسلک کا قائل ہے اور تمام اطفال مشرکین کو جہنمی قرار دیتا ہے ذیل میں اس مسلک کے دلائل نقل کئے جاتے ہیں:-

۱- "رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا"[2]

وجہ استدلال یہ ہے کہ کافر تو کافر ہی کو پیدا کرتا ہے اسی لئے نوح علیہ السلام ان کافروں کے بچوں تک کیلئے تباہی و بربادی کی بددعا فرما رہے ہیں لہٰذا کافروں کے بچے بھی انھیں کے تابع ہو کر ناری ہوں گے۔

۲- حضرت خدیجہ کبریٰ کی حدیث "قالت یارسول اللہ این اطفالی منک قال فی الجنة قالت فاطفالی من غیرک قال فی النار"

۳- "الوائدة والموؤدة فی النار"[3]

وجہ استدلال یہ ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں کم سن اور نومولود بچیوں ہی کو زندہ درگور کیا کرتے تھے تو اس حدیث میں ان نابالغ اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے کی صراحت ہے۔

۴- ان نقلی دلائل کے علاوہ یہ حضرات یہ عقلی دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر اولاد مشرکین حقیقتاً مسلمان ہیں تو ان کو مسلمانوں کی طرح دفن کیوں نہیں کیا جاتا اور ان پر نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی جاتی۔

مذہب ثانی کا جواب

۱- حضرت نوح علیہ السلام کی اس بددعا سے استدلال اسلئے درست نہیں کہ حضرت نوح کو بتا دیا

[1] مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ص ۳۲۷ [2] سورہ نوح پارہ ۲۹ [3] ابوداؤد جلد ثانی ص ۶۲۹ —

گیا تھا کہ "لن یومن من قومک الا من قد آمن"[1] آپکی قوم کے جو افراد ایمان لا چکے ہیں بس وہی مومن رہیں گے اور بقیہ ان تمام کفار کی نسلوں تک سے ایمان کی کوئی توقع نہیں تو حضرت نوح نے اپنے مخاطب تمام کفار وقت کیلئے بددعا فرمائی نہ کہ علی الاطلاق ہر زمانہ کے کافروں کیلئے۔ یہی مضمون حضرت قتادہ، محمد بن کعب، ربیع ابن زید وغیرہ سے اس طرح مروی ہے "ما دعا علیھم الا بعد ان اخرج اللہ تعالیٰ کل مومن من اصلابھم واعقم ارحام نساءھم"[2]

لہٰذا ایک مخصوص واقعہ سے عموم پر استدلال درست نہیں۔

۲- دوسری دلیل حضرت خدیجہؓ کی اس حدیث کی حقیقت آشکارہ کرنے کیلئے بحر العلوم علامہ ابن حزم ظاہری کا یہ تبصرہ نقل کر دینا ہی کافی ہوگا:-

"اما حدیث خدیجة رض فساقط مطرح لم یروہ قط من فیہ خیر"[3]

حضرت خدیجہ رضؓ کی حدیث اس درجہ ناقابل اعتبار ہے کہ کسی بھی خدا ترس آدمی نے اسے روایت نہیں کیا لہٰذا احکام میں اعلیٰ اور صحیح حدیثوں کے موجود ہوتے ہوئے ایسی کمزور حدیثوں سے استدلال کرنا کج فہمی اور کم علمی کی دلیل ہے۔

۳- اس حدیث کے متعدد جواب ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-

(الف) پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث نہ صرف یہ ثابت نہیں بلکہ قریب قریب موضوع ہے کیونکہ علامہ ابن عبدالبر جیسے چوٹی کے محدث نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:[4]-

"لا اعلم احداً روی ھذا الحدیث عن الزھری غیر ابی معاذ وھو ناسی الحدیث لا یحتج بحدیثہ"

(ب) دوسرا جواب دیتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں حدیث مذکورہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ موؤدہ بالغ ہو[5] "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اسی کی تصریح کرتے ہوئے صاحب کشف الکاجہ ابن حزم کی عبارت کی شرح یوں کرتے ہیں:[6]-

"اس میں علی الاطلاق وائدہ اور موؤدہ کا حکم نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ آپ نے اس جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ سلمہ بن یزید کی بہن (جو اس حدیث

[1] سورہ ہود آیت نمبر ۳۶ [2] روح المعانی جز ۲۹ مطبوعہ مصطفائیہ ص ۸۰ [3] کشف الکاجہ ص ۱۷۴ [4] مرقاۃ جلد اول ص ۱۵۲ [5] ایضاً [6] کشف الکاجہ ص ۱۷۴

کا مورد ہیں) نابالغ نہیں تھیں بلکہ وہ تو بلوغ کو پہنچ چکی تھیں"۔
لہٰذا ایک خاص واقعہ کو قاعدہ کلیہ بنانا اور اس کو عموم دینا صحیح نہیں۔

(د) تیسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حدیث مذکور میں زائدہ سے دایہ اور مؤودہ سے مؤودہ لہا یعنی لڑکی کی ماں مراد ہے اس لئے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔[۱]

۴۔ ان حضرات کی چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تدفین اور نماز جنازہ دنیوی امور ہیں جو تعالی نہ ہونے کی وجہ سے ان پر جاری نہیں ہوں گے جب کہ ان کی نجات اور اسلام و نظرت کا حکم اخروی امر ہے پھر اگر دنیوی امور کو علامت نجات قرار دیا جائے تو پھر تو بہت سے اشکالات کھڑے ہو جائیں گے۔[۲]

۳۔ ان دو مسلکوں کے برخلاف جمہور محققین علماء مفسرین و متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اطفال مشرکین جنتی ہیں اور وہ تکذیب و تکفیر میں اپنے آباء و اجداد کے تابع نہیں ہیں بلکہ وہ فطرت انسانی پر قائم رہتے ہوئے اخروی لحاظ سے مومنین و مسلمین کے زمرہ میں شمار کئے جائیں گے اس سلسلے میں جمہور اہل سنت کے پاس بے شمار نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں جو ماخذ شریعت سے ماخوذ اور مزاج اسلام کے عین مطابق ہیں۔

دلائل جمہور

۱۔ واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى[۳]

[۱] دیکھئے تنظیم الاشتات جلد اول ص۱۱۱ [۲] مثلاً ایک شخص علانیہ مسلمان تھا اس کی موت کے بعد کافر ورثا نے نہ دفن کیا اور نہ مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے دی تو کیا اس پر بھی عدم اسلام و عدم ایمان کا حکم لگایا جائے گا۔ اطفال مشرکین کی تفصیل ان کتب سے ماخوذ ہے فیض الباری کشمیری جلد ثانی ص۴۹۵ تا ۴۹۴ فتح الباری للعسقلانی جلد ثالث ص۱۹۱ شرح السنہ جلد اول ص۱۵۰ تا ص۱۶۲ مطبوعہ سعودیہ۔ شرح نووی مسلم ثانی ص۳۳۷ مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص۱۳۵ بذل المجہود جلد خامس ص۲۱ شفاء العلیل ص۲۸۳ تا ص۲۸۴ معالم السنن ص۸۳ و ص۸۸ طریق الہجرتین ص۳۹۶ اور ص۴۰۴ تحفۃ الاحوذی جلد ثالث ص۱۹۸ الکوکب الدری جلد ثانی ص۴۵ التعلیق الصبیح جلد اول ص۸۳ لامع الدراری جلد ثانی ص۱۳۶ تا ص۱۳۹ کشف الحاجہ ص۱۰۲ تا ص۱۰۳ تنظیم الاشتات جلد اول ص۱۱۱ تا ص۱۱۳۔ نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اطفال مشرکین پر اوجز المسالک میں بڑا بسیط کلام کیا ہے [۳] سورہ اعراف پارہ نمبر ۹۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ آدم کی پوری نسل اپنے اس اقرار ایمانی کی بناء پر نفس الامر میں مومن ہے اور بلوغ کے بعد کافرانہ و باغیانہ افعال ہی اس اقرار و معاہدہ کو متاثر کر سکتے ہیں نابالغ بچوں کا یہ اقرار جوں کا توں باقی ہے اسلئے وہ جنتی ہوں گے۔

۲۔ وما تکسب کل نفس الا علیها ولا تزر وازرة وزر اخری[۱]
یہ آیت تابع ہونے کی صراحتاً تردید کر رہی ہے۔

۳۔ لا یصلاها الا الاشقی الذی کذب وتولی[۲]
جہنم کا وہی مستحق ہوگا جس نے امور غیبیہ تعلیمات دین اور وحی الٰہی کی تردید و تکذیب کی اور حق سے اعراض کیا ہو اطفال مشرکین کیونکہ غیر مکلف ہیں اسلئے تکذیب و تولی کا ان پر اطلاق نہیں ہوگا۔

۴۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا[۳]
ظاہر ہے کہ رسول کو نابالغ بچوں کی جانب نہیں بھیجا جاتا لہٰذا ان کی تعذیب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

۵۔ فطرة الله التی فطر الناس علیها[۴]
تمام انسانوں کو فطرت پر پیدا کیا گیا اور نابالغ بچوں کو فطرت ہی پر موت دیدی گئی اسلئے وہ بہشتی ہوں گے۔

۶۔ کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه وینصرانه ویمجسانه ویشرکانه۔ (حدیث)

۷۔ عن سمرة بن جندب رض عن النبی صلی الله علیه وسلم کل مولود یولد علی الفطرة فقال بعض الناس یارسول واولاد المشرکین قال واولاد المشرکین[۵]

۸۔ عن حسناء بنت معاویه الصریمیه عن عمتها قالت قلت یارسول الله من فی الجنة قال النبی فی الجنة والشهید فی الجنة والمؤودة فی الجنة[۶][۷]
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

[۱] سورۂ انعام پ۸ [۲] سورۂ لیل پ۳۰ [۳] بنی اسرائیل پ۱۵ [۴] سورہ روم پ۲۱ [۵] مستخرج البرقانی علی البخاری بحوالہ شرح السنہ جلد اول ص۱۵۶ [۶] مولانا مبارکپوری نے مؤودہ کے بجائے مولود کے الفاظ نقل کئے ہیں دیکھو تحفۃ الاحوذی جلد سوم ص۱۹۰ [۷] مسند امام احمد جلد پنجم ص۵۸ و ابوداؤد۔

۹۔ حدیث ابراھیم حین راٰہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ وحجرلہ اولاد الناس قالوا یارسول اللہ واولاد المشرکین قال واولاد المشرکین[1]۔

۱۰۔ حضرت معمر عن قتادہ عن الحسن کے طریق سے بیان کرتے ہیں :۔
ان سلمان رضؓ قال اولاد المشرکین خدم اھل الجنۃ[2]

۱۱۔ عن سمرۃ رضؓ قال اولاد المشرکین خدم اھل الجنۃ[3]
حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۲۔ عن انس رضؓ قال سألت ربی اللاھین من ذریۃ البشر ان لا یعذبھم فاعطانیھم[4]۔
لاہین سے نابالغ بچے مراد ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا۔

۱۳۔ سمرہ بن جندب رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل خواب اپنی روایت میں بیان کیا ہے باب سے متعلق الفاظ یہاں نقل کئے جاتے ہیں :۔
"اما الولدان الذین حولہ فکل مولود مات علی الفطرۃ فقال بعض المسلمین یارسول اللہ واولاد المشرکین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واولاد المشرکین[5]۔
یہ حدیث صراحت کر رہی ہے کہ اولاد مشرکین جنتی ہوں گے کیونکہ انبیاء کا خواب وحی کے قائم مقام ہوتا ہے۔

۱۴۔ اس سلسلے میں سب سے صریح واضح اور مکمل روایت حضرت عائشہ رضؓ کی ہے جو اس مسئلہ میں حقیقتاً قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے اور جو تقریباً تمام نصوص وادلہ کا نچوڑ ہے ذیل میں ہم اسے نقل کرتے ہیں :۔
عن ابی معاذ عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضؓ قال سألت خدیجۃ رضؓ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم عن اولاد المشرکین فقال مع آباءھم ثم سألتہ بعد ذلک قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین ثم سألتہ بعد ما استحکم الاسلام فنزل ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ قال ھم علی الفطرۃ او قال ھم فی الجنۃ[6]
اس تفصیلی روایت کے بعد اب مزید لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال ۲۸ :۔ عن جابر رضؓ قَالَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الانصارِ اِلَی النبیّ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُولَ اللہِ اِنَّ لِی جَارِیَۃً اَعزِلُ عَنھَا قَالَ

[1] رواہ البخاری کتاب[2] شرح السنۃ جلد اول ۱۵۵ مطبوعہ سعودی عرب [3] طبرانی وبزار وفی ابی داؤد طیالسی وابی یعلی عن انس۔
[4] ابو یعلی وفی البزار عن ابن عباس مرفوعاً [5] بخاری [6] مصنف عبدالرزاق بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد سوم ۱۹۵۔

سَیَاتِیہَا مَا قُدِّرَ لَہَا فَاَتَاہُ بَعدَ ذٰلِکَ فَقَالَ قَد حَمَلَتِ الجَارِیَۃُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قُدِّرَ لِنَفسِہٖ شَیئًا اِلَّا وَھِیَ کَائِنَۃٌ

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔
(ب) عزل کی تعریف کیجئے۔
(ج) کیا عزل کرنے میں عورت کی اجازت ضروری ہے مع اختلاف ائمہ تحریر فرمائیے۔
(د) عزل کا شرعی حکم بیان کیجئے۔

جواب سوال ۲۸ :۔ (الف) اعراب کیلئے مذکورہ بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ایک باندی ہے (کیا) میں اس سے عزل کر سکتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عزل سے کیا فائدہ) جو اس کی تقدیر میں (بچہ جننا نہ جننا) ہے وہ تو (بالآخر) ہو کر ہی رہے گا (اس کے بعد وہ شخص چلا گیا) پھر چند دنوں کے بعد پھر حاضر ہوا اور (نہایت متحیرانہ انداز میں) بولا (میرے عزل کرنے کے باوجود بھی) باندی حاملہ ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہم نے کہا نہیں تھا کہ) جس نفس کی جو تقدیر میں ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔

(ب) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عزل کی تعریف یوں کرتے ہیں :۔
(العزل) ای النزع بعد الایلاج لینزل خارج الفرج[1]۔
علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :۔
"العزل ھو ان یجامع فاذا قارب الانزال نزع وانزل خارج الفرج[2]"
شیخ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ عزل کی تعریف کے ساتھ ساتھ نہایت مختصر انداز میں اس کے پس منظر کو بھی بیان کرتے ہیں[3]
"العزل اراقۃ المنی خارج الفرج خوفا من خلق الولد"

(ج) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت اگر حرہ ہو تب بھی عزل کرنے کیلئے

[1] فتح الباری للعسقلانی جلد نہم ص۲۴۳ [2] مسلم شریف جلد اول ص۴۶۴ [3] ابن ماجہ ص
[4] داخل کرنا۔

اس سے اجازت لینی ضروری نہیں" لان المرأة لاحق لها فی الجماع اصلاعنده" [۱]
اس کے برخلاف حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرہ عورت سے عزل کرنے میں
اس سے اجازت لینی ضروری ہے اور اس کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں" لان الجماع
من حق الحرة ولها المطالبة به" [۲] نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "انه نهی
ان یعزل عن الحرة الا باذنها" [۳] بھی احناف اور جمہور امت کی پرزور تائید کر رہی
ہے اسی کے پیش نظر بہت سے شوافع سے بھی یہ منقول ہے کہ امام شافعی بھی جمہور امت کے
ساتھ ہیں اور اسی لئے علامہ ابن عبد البر اور علامہ ابن ہبیرہ نے اس پر تمام فقہاء کا اجماع نقل کیا
ہے کہ آزاد عورت سے اس کی رضاء کے بغیر عزل جائز نہیں [۴]
لیکن احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ امام شافعی کے اصول ومزاج کے پیش نظر مقدم الذکر مذہب
ہی ان کی جانب صحیح منسوب ہے اور حضرت امام شافعی حقیقتاً اس مسئلہ میں جمہور کیساتھ نہیں ہیں۔
اگر عورت امۃ منکوحہ ہو [ع] تو عزل کرنے کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ عزل میں اس امۃ منکوحہ
سے اجازت لی جائے گی یا اس کے آقا کی اجازت درکار ہے۔
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امۃ منکوحہ سے عزل کرتے ہیں کسی کی اجازت کی
ضرورت نہیں شوہر کو ہر قسم کا بالکلیہ اختیار ہے [۵]
حضرت امام ابویوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ امۃ منکوحہ سے عزل کرنے میں اسی کی اجازت
ضروری ہے لان الوطی حقها حتی تثبت لها ولایة المطالبة بالوطی وفی العزل
تنقص حقها فیشترط رضاها کما فی الحرة [۵]۔ امام احمد کے چار اقوال میں سے
ایک قول صاحبین ہی کے مطابق ہے [۶]

مولی کی اجازت ضروری ہے لان العزل یخل بمقصود الولد وهو حق المولی

[۱] تنظیم الاشتات جلد سوم ص۳۱۶ [۲] ابن ماجہ [۳] قال ابن عبد البر "لاخلاف بین العلماء انه
لایعزل عن الزوجة الحرة بغیر اذنها" فتح الباری جلد نہم ص۲۴۷ [۴] تنظیم الاشتات جلد سوم
ص۳۱۶ [۵] ایضاً [۶] فتح الباری جلد نہم ص۲۴۸
[ع] وہ عورت جس کے آقا نے اس کا کسی اور کے ساتھ نکاح کر دیا ہو۔

فیعتبر رضاه" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی راجح ترین قول یہی ہے اور دلائل وبراہین کی
روشنی میں یہی واضح صحیح اور قوی ترین مسلک ہے [۱]

(د) عزل کا حکم شرعی

عہد صحابہ وتابعین میں عزل کے سلسلے میں دو مذہب مشہور ومعروف رہے ہیں:۔
۱۔ ایک تو یہ کہ عزل مکروہ اور تقریباً ناجائز ہے اور ایسا کرنا نسل انسانیت کیلئے مضر اور وادخفی
کے مترادف ہے حضرت عمر، حضرت عثمان، عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابوامامہ وغیرہ اور علامہ
نووی کی یہی رائے ہے [۲] ہمارے استاذ الاساتذہ ابن حجر ہند علامہ سید انور شاہ کشمیری رح بھی
تقریباً اسی کے قائل ہیں [۳]
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ودیگر علماء مذکورہ حضرات سے منقول ممانعت کو مکروہ تنزیہہ پر
محمول کرتے ہیں [۴]
۲۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ بحالت مجبوری عزل جائز ہے اور وہ اضطرار کے وقت وادخفی کے زمرے
میں نہیں آتا ائمہ اربعہ محدثین ومفسرین اور جمہور امت کا یہی مذہب ہے اور یہی مفتی بہ اور
صحیح ترین مذہب ہے اسی پر آج روشنی ڈالی جا رہی ہے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں [۵]:۔
"العزل جائز عند عامة العلماء وكرهه قوم من الصحابة وغيرهم والصحيح الجواز"
لیکن یہ رخصت اسی وقت ہے جب کہ صنف نازک کی صحت جسمانی اعذار حالات وکیفیات
ان زبردست ذمہ داریوں کو نباہنے کی قطعاً اجازت نہ دیتی ہوں اور ایسا کرنے میں اس
کی جان یا بچہ کی ذات کو نقصان وہلاکت کا اندیشہ لاحق ہو تو بحالت مجبوری عزل کی گنجائش
ہے لیکن اس گنجائش کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری نصوص صریحہ اسلامی ودینی مزاج شریعت
کے نقطہ نظر سے بے پرواہ حدود سے متجاوز اور دائرہ شریعت سے باہر ہو کر محض کافوت
کو خوش کرنے کیلئے باقاعدہ طور سے فیملی پلاننگ ضبط ولادت اور تحدید نسل کی ترغیب دی
جانے لگے اور ان منحوس منصوبوں کو عزل کے ذیل میں لاکر عین اسلام اور امر مستحسن قرار
دیدیا جائے۔

[۱] تنظیم الاشتات سوم ص۳۱۶ [۲] مرقاۃ ثالث ص۴۴۱ [۳] تنظیم الاشتات سوم ص۳۱۶ [۴] مرقاۃ
ثالث ص۴۴۱ [۵] مرقاۃ ثالث ص۴۳۹۔

اس طرح کی کوششیں غیروں کی جانب سے نہیں بلکہ اپنے ہی ناخواندہ ان نام نہاد علماء کی جانب سے کی جارہی ہیں جو مغرب سے مرعوب اور آج کے روشن خیال طبقہ کے کھوکھلے نعروں سے مبہوت ہوکر رہ گئے ہیں اور جو اسلام کو دورِ حاضر کے تمام باطل فلسفوں کا مقتدی و موافق ثابت کرنے ہی میں اس کی عافیت اور اس کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہیکہ اس طرح کی ساری کوششیں دین پر بہتان شریعت سے کھلواڑ اور اسلام کے ساتھ ایک گھناؤنا مذاق ہے اور دین سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام اصولی طور پر تحدید نسل سے متنفر اور توسیع نسل کا خواہاں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم" نیز "توالدوا فتکثروا فانی اباھی بکم یوم القیامۃ بکثرۃ الامم" ارشاد فرماکر اسلام کے اسی نقطہ نظر کی وضاحت فرمائی ہے۔
نسل انسانی کو اس کے وجود سے محروم کرنا اس کی تولید و توسیع پر پابندی لگانا اور دنیا کو محض اپنی جاگیر و میراث سمجھنا انتہا درجہ کی خودغرضی کمینہ پن اور زبردست ظلم ہے اور یہ انھیں منکرین قسمت کو مبارک ہو جو رب جلیل سے بے نیاز ہوکر محض مادی وسائل محسوسات وظواہر پر نظر کرتے ہوئے اٹکل پچو حساب لگاکر دنیا میں انسانی آمد کو روکنے پر تلے ہوئے ہیں۔
ایک خدا پرست انسان جو "نحن نرزقکم وایاھم" پر ایمان رکھتا ہے جو "لاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق" کا اپنے آپ کو مخاطب سمجھتا ہے اور جو خداوند قدوس ہی کو خالق و رازق سمجھتے ہو مسئلہ قضاء و قدر کو بلا چون وچرا تسلیم کرتا ہے وہ کبھی ایسی خودغرضی اور ظلم پر نہیں اتر سکتا اور نہ ہی عقلی و روحانی طور پر آنا دیوالیہ ہوسکتا ہے کہ محض اپنے ظنی آرام و آسائش کی خاطر آئندہ آنے والی نسل انسانی کی آمد پر پابندی لگائے اسکی غیر فطری تحدید کا خواہشمند ہونے کیساتھ ساتھ اسکے وجود ہی کا دشمن ہوجائے۔
حیرت کی بات تو یہ کہ انھیں ملحدین کی دیکھا دیکھی اور انھیں منکرین قسمت اور دشمنانِ اسلام کی تقلید میں بہت سے مرعوب و مسحور اسلامی عربی ممالک بھی اسی ڈگر پر چل پڑے اور کل جہاں سے "تزوجوا الودود الولود" کی مبارک صداء گونجی تھی آج وہیں سے خاندانی منصوبہ بندی اور تحدید نسل کی آوازیں آنے لگی ہیں اور ان خبیث منصوبوں کی ترغیب و تشہیر کیلئے اخبار و رسائل دنیاوی و مادی وسائل اور ان کے تمام ذرائع ابلاغ بھی حرکت میں آگئے ہیں ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کے بارے میں اقبالؒ نے کہا ہے[۵]

۵ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال ۲۹:۔ عَنْ ثَوْبَانَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَلَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِیْئَۃٍ یَعْمَلُہَا۔
(الف) اعراب لگاکر معنی خیز ترجمہ کیجئے (ب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیراتِ الٰہیہ میں تبدیلی نہیں آسکتی اس متفق علیہ مسلک کی روشنی میں آپ حدیث باب کا کیا جواب دیں گے؟

جواب سوال ۲۹:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔
حضرت ثوبان رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیکی کے علاوہ کوئی چیز عمر میں زیادتی کا سبب نہیں بنتی اور دعا کے علاوہ کوئی چیز تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اور بندہ (مسلم) اپنے کردہ گناہوں کی پاداش میں رزق (دنیوی منفعت واخروی اجر وثواب) سے محروم کردیا جاتا ہے (ب) اگر درج بالا حدیث سے تقدیر معلق مراد لی جائے تو حدیث باب پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ تقدیر معلق میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ "یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہٗ ام الکتٰب" لیکن اگر حدیث باب کی تقدیر کو عام مانا جائے تو اہل سنت والجماعت کے طے شدہ مسلک سے اس کا ٹکراؤ ہوجائے گا کیونکہ تقدیر مبرم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ـــ اسی تعارض و تصادم کو رفع کرنے کیلئے محققین علماء نے متعدد توجیہ و تاویلیں کی ہیں۔ چند باوزن توجیہات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ شراح حدیث کی ایک جماعت نے کہا کہ یہاں ظاہر مراد نہیں بلکہ ان تینوں چیزوں کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ فی نفسہٖ عمر میں تو کوئی زیادتی نہیں ہوتی لیکن نیکی میں اتنی طاقت و برکت ہے کہ اگر عمر میں اضافہ ہوا کرتا تو نیکی ہی کی بدولت ہوتا اور تقدیر کو اگر کوئی چیز ٹال سکتی تو وہ صرف دعا ہوتی اور معاصی میں اتنی نحوست ہے کہ اگر مقدر رزق میں کمی ہوا کرتی تو وہ صرف گناہوں کی خباثت و نحوست کی وجہ ہی سے ہوتی شیخ عبدالحق دہلوی کی یہی رائے ہے۔
۱۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عمر میں زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ اس بندے کے اوقات میں برکت دیدی جائے گی اور وہ اپنی مقرر کردہ اسی عمر میں اتنے کثیر اور نمایاں کارنامے انجام دیگا جن کیلئے ایک طویل عمر درکار ہے لیکن نیکی و تقویٰ کی برکت سے وہ سیکڑوں سالہ امور کو محض چند سال ہی میں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لہ عزل کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے فیض الباری جلد چہارم ص۳۰۵ والعرف ص۲۰۳ بخاری شریف جلد ثانی ص۷۸۴ فتح الباری جلد نہم ص۲۴۲ تا ص۲۴۹ عمدۃ القاری للعینی جلد نہم ص۴۹۵ مسلم شریف اول ص۴۶۶ بذل المجہود جلد سوم ص۳۴ والانوار جلد دوم ص۳۲ التعلیق الصبیح جلد چہارم ص۳۷ ترمذی جلد اول ص۱۳۵ الکوکب الدری اول ۳۳۹ تحفۃ الاحوذی جلد دوم ص۱۹۳ مظاہر حق جدید جلد سوم قسط پنجم ص۶۶ تا ص۶۷ تنظیم الاشتات جلد سوم ص۳۱۶ وص۳۱۷ نیز عزل کے سلسلے میں جدید معلومات کیلئے فقیہ عصر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے زیر ادارت نکلنے والا رسالہ بحث و

ثمٹا دیگا جیسے بحر العلوم شیخ العرب والعجم حکیم الامت حضرت تھانوی رحؒ نے اپنی عمر سے بہت زیادہ کام کیا ۔ اور تقدیر ٹلنے کا مطلب یہ ہے کہ دعا کی بناء پر تقدیر کو ہلکا کر دیا جائے گا اور دعا کی برکت سے اس بندے کو تقدیری امور برداشت کرنے کی طاقت دیدی جائے گی جب کہ رزق سے محرومی کے یہ معنی ہیں کہ معاصی کی نحوست کی وجہ سے اسکے رزق کی برکت و نورانیت اٹھالی جائے گی ۔

۳۔ تیسری تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماکان و مایکون کا علم ہے اسلئے تقدیر لکھتے وقت ہی آپ کو علم تھا کہ یہ بندہ نیکی و تقوی اختیار کرے گا تو اس کی برکت سے ازل ہی میں اس کی عمر بڑھا کر لکھدی گئی اور آپکو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ بندہ کوئی غیر معمولی دعا کریگا تو اس دعا کی وجہ سے وہیں اس کی قسمت میں مصیبتوں اور بلاؤں کو نہیں لکھا گیا نیز آپ یہ بھی جانتے تھے کہ فلاں شخص گناہ و معاصی کا ارتکاب کرے گا تو معاصی کی نحوست سے اس کے رزق میں بوقت کتابت ہی کمی کر دی گئی تو نیکی ہی زیادت عمر کا سبب اور دعا ہی رد قضا کی وجہ ہوئی اور معاصی ہی کی بناء پر رزق سے محروم کیا گیا اسی لئے حدیث باب میں ان تینوں کی مطلق فاعلیت کی نسبت کر دی گئی ۔

ان تاویلوں کے بعد حدیث باب کی مزید تشریح کیلئے معارف القرآن سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے ۔

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ مفتی اعظم پاکستان اسی قسم کی احادیث کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں ۔

" ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیرہ کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں اور دعا کی وجہ سے تقدیر بھی بدلی جا سکتی ہے "

پھر مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

" کتاب و تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر و تبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد وہ کتاب و تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اسمیں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے بعض اوقات لکھی ہوئی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے جسمیں آیت کی تصریح کے مطابق محو و اثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کا آخری جملہ " وعندہ ام الکتاب " نے بتلا دیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے جو ام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ صرف علم الٰہی کیلئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط و اعمال یا دعا کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسلئے وہ محو و اثبات کمی بیشی سے بالکل بری ہے [1] "

[1] معارف القرآن جلد خامس صفحہ ۲۰۳-۲۰۴ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے مرقاۃ لعلی القاری جلد رابع صفحہ ۲۶۹ ترمذی جلد ثانی

اسکے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تقدیر معلق کا تعلق صرف فرشتوں سے ہے جسمیں انکو بندوں کی نیکی دعا رزق وغیرہ کے رب جلیل کی جانب سے احکام و ہدایات ملتی رہتی ہیں اور اللہ کیلئے ان کے علم کامل کی وجہ سے ہر تقدیر تقدیر مبرم ہے ۔

سوال نمبر ۳۰ : ۔ عَنْ سُرَاقَه بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الْعَمَلُ فِيْمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيْرُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ ۔ (الف) حدیث بالا پر اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کیجئے ۔
(ب) تقدیر کے مسئلہ پر مختصر مگر شافی کلام کرتے ہوئے ایک ایسا مضمون لکھیئے جس سے مسئلہ بالا کی حقیقت واضح ہو جائے ۔

جواب سوال نمبر ۳۰ : ۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث دیکھئے ۔

حضرت سراقہ بن جعشم رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا یا رسول اللہ صلعم (ذرا یہ بتائیے کہ) کیا عمل (بھی) ان تقدیرات میں داخل ہے جن پر قلم خشک ہو چکا (اور وہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے بالکلیہ باقی رہیں گی) اور (اس کتابت کے ساتھ) مقادیر جاری بھی ہو گئیں یا یہ امر مستقبل ہے (جسکی کتابت نہیں کی گئی) آپ صلعم نے جواب دیا (امر مستقبل نہیں بلکہ) بلکہ وہ بھی انہیں (تقدیرات) میں سے ہے جن (کو لکھ کر) قلم خشک ہو چکا اور مقادیر بھی جاری ہو گئیں اور ہر ایک (انسان) کو (اس کے انجام کے وہ) تمام اسباب فراہم کر دیئے گئے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے (اگر جنتی ہے تو مسلم گھرانے میں پیدا کر کے اس کی توجہ حق سے ہٹا دی گئی) ۔

(ب) تقدیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے داعی کبیر مناظر اعظم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم وادام اللہ ظلہ علینا نے نہایت جامع مختصر اور تسلی بخش مضمون تحریر فرمایا ہے ذیل میں ہم معارف الحدیث اس کو بعینہٖ نقل کر رہے ہیں :۔ " اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کے علم ازلی کے مطابق ہے اور اس کارخانہ عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کیساتھ اور جس سلسلہ سے ہو رہا ہے وہ بالکل اسی طرح اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کیساتھ علم ازل میں تھا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرمایا ہے ۔ اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال و افعال پر غور کرے گا وہ بغیر کسی شک و شبہ کے اس حقیقت کو محسوس کریگا کہ اس دنیا میں ہم جو اچھے یا برے عمل کرتے ہیں وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں ہر کام کے کرنے کا وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہیں تو اس کو کریں اور چاہیں تو نہ کریں پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خداداد ارادے اور اختیار سے کرنے اور نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اسی فیصلہ کے مطابق ہمارا عمل ہوتا ہے ۔ پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرما دیا اور اس پورے سلسلہ کے وجود کا فیصلہ فرما دیا ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے

ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آچکا ہے گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے کہ فلاں شخص فلاں اچھا یا برا کام کریگا بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ واختیار سے ایسا کرے گا پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے پھر اس کو یہ جزاء یا سزا ملے گی۔ الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے جسکی بناء پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں وہ بھی تقدیر ہے اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اسی پر ہے اور اسی کی بناء پر انسان مکلف ہے اور اسی پر جزاء وسزاء کی بنیاد ہے۔

بہرحال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کردیا ہے لہٰذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

ایسے ہی جن مقاصد کیلئے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دنیا میں کرتے ہیں تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو انھیں تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔

الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائیگی بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے[1]

اب ہم ذیل میں چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ درج کر رہے ہیں آپ مذکورہ مضمون کو ان دلائل سے مزین کیجئے اور آگے مزید پھیلائیے:- (۱) انا کل شیٔ خلقناہ بقدر (۲) وان من شیٔ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم۔ (۳) وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا۔ (۴) اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ (۵) لا تسقط من ورقۃ ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔

چند احادیث:- ۱۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ کل شیٔ بقدر حتی العجز والکیس۔ (مسلم)

(۲) عن عبد اللہ بن عمروؓ قال قال رسول اللہ ﷺ کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموٰت والارض بخمسین الف سنۃ قال وکان عرشہ علی الماء (مسلم) (۳) عن سھل بن سعد الساعدیؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ان الرجل لیعمل عمل الجنۃ فیما یبدو للناس وھو من اہل النار وان الرجل لیعمل عمل النار فیما یبدو للناس وھو من اھل النار وان الرجل لیعمل عمل النار فیما یبدو للناس وھو من اھل الجنۃ (مسلم) ۴۔ عن ابن مسعودؓ قال حدثنا رسول اللہ ﷺ وھو الصادق والمصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذلک ثم یکون مضغۃ مثل ذلک ثم یبعث اللہ الیہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح (بخاری ومسلم وترمذی)

(۵)۔ عن علیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ما من احدکم الا وقد کتب مقعدہ من النار ومقعدہ فی الجنۃ قالوا یا رسول اللہ ﷺ افلا نتکل علی کتابنا وندع العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق لہ اما من کان من اھل السعادۃ فسییسرہ لعمل السعادۃ واما من کان من اھل الشقاوۃ فسییسرہ لعمل الشقاوۃ ثم قرأ فاما من اعطی واتقی وصدق (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ (بخاری ومسلم)[ع]

سوال نمبر ۳۱:-

(الف) صحابی کی تعریف کیجئے۔

(ب) کیا تمام صحابہ ایک درجہ کے ہیں یا ان میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے وضاحت کیجئے۔

(ج) صحابہ کرام پر ایک جامع اور مختصر مضمون تحریر فرمائیے۔

(د) نیز یہ بھی بتلائیے کہ اس برگزیدہ جماعت کو ہدف تنقید بنانے والوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب سوال نمبر ۳۱:-

(الف) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"وھو من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنا بہ ومات علی الاسلام ولو تخللت ردۃ فی الاصح"[1]

استاذ محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری اس عبارت کی تشریح یوں کرتے ہیں:-

"صحابی وہ شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت

ع قضاء وقدر کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے

کشف الحاجہ ص۱۴۰ تا ص۱۹۱ التعلیق الصبیح جلد اول ص۶۸ فیض الباری جلد چہارم ص۴۳۵ معارف الحدیث جلد اول ص حجۃ اللہ البالغہ ص۶۵ جلد اول مطبوعہ رشیدیہ ترجمان السنہ جلد سوم ص۱۵ تنظیم الاشتات نیز علامہ ابن قیم کی کتاب شفاء العلیل بھی اس کیلئے نہایت مفید ہے اور اس موضوع پر ایک رسالہ بعنوان "مسئلہ تقدیر" شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر عثمانی نور اللہ مرقدہ نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ اور اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کی ایک مستقل کتاب ہے۔

[1] نخبۃ الفکر ص۱۸۔ ۱۲

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

[1] متعارف الحدیث جلد اول ص حقیقت یہ ہے کہ مولانا نعمانی کے اس مضمون سے زیادہ مختصر جامع تسلی وتشفی بخش مضمون احقر کو کہیں نہیں مل سکا اس کی انھیں خوبیوں کی بناء پر اس کو بعینہٖ نقل کردیا گیا۔ ۱۲

ایمان ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر ان کا خاتمہ ہوا ہو اگر ملاقات نبوی کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہوئے ہوں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ بدستور صحابی رہیں گے مگر امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک اسلام لانے کے بعد دوبارہ زیارت نبوی نہ ہو ان کو صحابی نہیں کہیں گے کیونکہ جس طرح اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام برائیاں کالعدم ہو جاتی ہیں مرتد ہونے سے بھی سابقہ تمام نیکیاں کالعدم ہو جاتی ہیں حافظ ابن حجر رح چونکہ شافعی ہیں اسلئے اول مذہب کو اصح کہا ہے حالانکہ دلائل کی قوت کے اعتبار سے قول دوسرا اصح ہے"[1]

(ب) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں تفضیل صحابہ اور ان کے باہم فرق مراتب پر مختصر انداز میں روشنی ڈالی ہے[2] ذیل میں ہم مزید تشریح کے ساتھ اسے اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

امام ابو عبد اللہ مازری فرماتے ہیں کہ صحابہ کے فرق مراتب اور ان کے باہم افضل و مفضول ہونے میں کافی اختلاف ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ تمام صحابہ ہی عہد رسالت و ہدایت کے درخشاں ستارے اور ایمان و یقین کے روشن مینارے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان سب کی زبردست تربیت فرمائی ہے لہٰذا ایسے عظیم انسانوں میں سے کسی کو کسی پر فوقیت دینا اور بعض کا بعض سے مرتبہ کم کرنا صحیح نہیں اور اس مسئلہ میں توقف و سکوت کرنا چاہیئے۔

لیکن جمہور امت اس طرف گئے ہیں کہ جب انبیاء و رسل میں فرق مراتب اور افضل و مفضول پائے جاتے ہیں تو نصوص صریحہ کی موجودگی میں صحابہ کے فرق مراتب کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کیوں کہ عہد رسالت و عہد خلافت میں فرق مراتب کی تصریح موجود ہے جیسے کہ ابن عمر کا قول "كنا نقول في زمن النبي صلى الله عليه وسلم لا نعدل بابي بكر احدا ثم عمر ثم عثمان" اور ابن عمر دوسرے قول میں فرق مراتب پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت کرتے ہیں "كنا نقول و رسول الله صلى الله

[1] تحفۃ الدرر ص۲۱ [2] مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ج۲ ص۲۷۲

عليه وسلم حي افضل امة النبي صلى الله عليه وسلم بعده ابو بكر ثم عمر ثم عثمان" جب آپ کی حیات مبارکہ میں تفضیل موجود ہے اور آپ نے اس کی تردید بھی نہیں فرمائی تو نبی کی تقریر سے مسئلہ تفضیل ثابت و مشروع ہو گیا اب اس کا انکار درست نہیں۔

لیکن تفضیل پر متفق ہونے کے بعد جمہور ہی میں افضل الصحابہ میں پھر اختلاف اٹھ کھڑا ہوا خطابیہ حضرت عمر رضؓ کو افضل قرار دے رہے ہیں راوندیہ حضرت عباس کو افضل ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور شیعہ ان سب کو کافر قرار دیتے ہوئے حضرت علی رضؓ کی افضلیت پر اڑے ہوئے ہیں لیکن اہل السنہ والجماعت قرآن و احادیث اور صحابہ کے اجماعی فیصلے کے پیش نظر صدیق اکبر رضؓ کو تمام صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ صدیق اکبر رضؓ کے بعد حضرت عمر رضؓ پھر حضرت عثمان رضؓ اس کے بعد حضرت علی رضؓ دیگر تمام صحابہ کرام رضؓ سے افضل ہیں اگرچہ اہل السنہ ہی میں بعض کوفی حضرت علی کو حضرت عثمان پر فوقیت دیتے ہیں لیکن جمہور اہل السنہ کے مسلک کے مقابل ان کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں اس انفرادی تفضیل کے بعد تمام صحابہ کی فضیلت کی ترتیب قائم کرتے ہوئے ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکابر اس پر متفق ہیں کہ خلفاء اربعہ اپنی ترتیب خلافت میں ایک دوسرے سے مقدم اور افضل ہیں ان کے بعد عشرہ مبشرہ پھر بدری صحابہ پھر شرکاء احد اور پھر شرکاء بیعۃ الرضوان ہلم جرا تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفضیل کے مسئلہ میں ایک جماعت یہ معیار قائم کرتی ہے کہ نبی کی زندگی میں جو صحابہ وفات پا گئے وہ اپنے بعد والوں سے افضل ہیں علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول شاذ کی صراحتاً تردید فرمائی ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ بحث آتی ہے کہ تفضیل صحابہ دنیاوی اور ظاہری ہے یا نفس الامری و قطعی اور بدیہی ہے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ یہ تفضیل اجتہادی اور ظنی ہے نفس الامر سے اس کا کوئی تعلق نہیں شیخ ابوبکر باقلانی کی بھی یہی رائے ہے جب کہ دوسری جماعت کا یہ یقین ہے کہ صحابہ کی تفضیل ظاہری و دنیاوی ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی اور قطعی ہے اور فی حقیقت نفس الامر میں بھی یہی ترتیب ہے شیخ ابو الحسن اشعری اس کے بڑی شدت سے قائل ہیں۔ اور یہی باوزن اور راجح قول ہے۔

(ج) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیغمبر اسلام کے وہ رفقاء اور ساتھی تھے جن کو خود حق تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت ورفاقت کیلئے منتخب فرمایا تھا اور خود اپنے دست قدرت سے ان کی تربیت فرمائی بلکہ جماعت صحابہ کا تقدس اتباع شریعت کا والہانہ جذبہ اور ان کا فہم دین اور اجتہاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے انھیں امتیازات وخصوصیات کی بناء پر انھیں اپنے اعتماد وبھروسے کا مرکز ومحور قرار دیا صحیح حدیث میں موجود ہے کہ بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کسی مافوق الفطرت امر کا تذکرہ ہوتا ہے جیسے گائے یا بھیڑیئے کا بات کرنا تو آپ نے حضرات شیخین ابوبکر وعمر کی غیر موجودگی میں یہ کلمات فرمادیئے ہیں؟ آمنت بہا انا وابوبکر وعمر" ان کی غیر موجودگی میں انکی طرف سے انکے ایمان کی شہادت دینا یہ ان دونوں کے اوپر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرنے کیطرف ہی اشارہ تھا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنیوالی اپنی امت کو اس بات سے باخبر کیا ہے کہ مختلف ادوار میں دین وملت کو مختلف اندیشے وفتنے پیش آتے رہیں گے ان ہولناکیوں اور ہر دور میں پیش آنے والے فتنوں کی خوفناک آندھیوں سے بچنے کیلئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے طریقہ وسنت کو مضبوطی سے تھامے رہنے کا حکم دیا ہے وہیں اپنے محبوب صحابہ کے کردار وعمل کی بھی مکمل طور پر تقلید واتباع کی دعوت دی ہے چنانچہ جب یہ سوال پیدا ہوا کہ امت کے دور فتن میں کس جماعت کے اسوہ وعمل سے راہنمائی حاصل کی جائے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" یعنی وہ جماعت تقلید واتباع کے لائق ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طور وطریقہ پر ہوگی۔

یہاں آپ نے وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا جو ہر زمانہ کے مناسب حال ہو وہ صرف کتاب وسنت ہی نہیں بلکہ وہ اس کی عملی تصویر ہے جو آپؐ نے اپنے صحابہ کے سامنے بطور اسوہ پیش کیا صحابہ کرام نے اس کے ایک ایک خط وخال کو دیکھا اور ہو بہو اس کی نقل کی اب ادھر یہ اسوہ حسنہ اور ادھر اس کا وہ مکمل نقشہ تھا پوچھنے والوں کیلئے اس سے زیادہ صاف اور سیدھی بات کیا ہوسکتی ہے کہ دور فتن میں اپنے عقائد واعمال کو صحابہ کے عقائد واعمال پر پیش کرو اگر وہ اس کے ہو بہو مطابق ہیں تو یقین کرو کہ تم راہ نجات وسلامتی پر گامزن ہو ورنہ ہلاکت وبربادی تمہارا مقدر ہے۔

قرآن شریف ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہوں یا پھر آپ کا اسوہ حسنہ اور کردار وعمل ہو یہ ساری چیزیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقل کرنے سے امت تک پہونچی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مکمل اعتماد کا اظہار فرمایا ہے پھر کوئی وجہ

نہیں کہ امت بھی ان پر اسی جذبہ سے اعتماد کرے ایک عالم گیر دین جس مقدس گروہ کے ذریعہ نکلا ہے اگر وہی گروہ ناقابل اعتماد ہوجائے تو پھر آئندہ دور میں اس دین کا خدا حافظ۔

پس صحابہ کرام کا وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ ہے اور آپکی تعلیم وتربیت کا ایک مقدس مرقع ہے وہ امت کی آبرو اور ملت کی روح ہیں ان کی ذات پر بال برابر حرف دین کی عظیم الشان عمارت کو شکستہ کردے گا۔[1] پھر مکمل نظام حیات دین فطرت اور دائمی ملت کا دعوی بھی بے بنیاد ہوکر رہ جائے گا۔

اب ذیل میں چند آیات واحادیث شریفہ نقل کی جاتی ہیں آپ درج بالا مضمون کو ان سے مدلل کیجئے اور اسے مزید پھیلایئے۔

١- ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولٰئک ھم الفائزون۔

٢- رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار۔

٣- ولما رای المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔

اس میں غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کی ایمانی شجاعت وبسالت اور ان کی قربانی کی تصویر کھینچی ہے۔

٤- والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

[1] مذکورہ مضمون مولانا عبد الاحد صاحب فاضل جامع ازہر مصر مدیر پندرہ روزہ گلشن کے ایک اداریہ سے ماخوذ ہے مضمون کی سلاست جامعیت اور اختصار واسلوب کو دیکھتے ہوئے اس جگہ اس کا انتخاب کیا گیا اور اس رواں دواں مضمون کو کچھ حذف وترمیم سے نقل کیا گیا ہے ۱۲

۵۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ترٰھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً۔

۶۔ عن عمر بن الخطاب رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (رواہ رزین)

۷۔ عن انس رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام لایصلح الطعام الا بالملح (شرح السنہ)

۸۔ عن ابی سعید الخدری رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھباً ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ (متفق علیہ)۔

۹۔ عن جابر رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتمس النار مسلماً رآنی او رای من رآنی (ترمذی)۔

۱۰۔ اصول حدیث کا قاعدہ کلیہ "الصحابۃ کلھم عدول"

(د) صحابہ کرام کی مقدس اور پاکباز جماعت کے کسی فرد کو ہدف تنقید بنانا یا اس کی دینی حیثیت کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ اسے برا بھلا کہنا قطعاً حرام اور بدترین اکبر الفواحش ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں[۱]۔

قال القاضی وسب احدھم من المعاصی والکبائر ومذھبنا و مذھب الجمھور انہ لایعزر و لایقتل وقال بعض المالکیہ یقتل۔

قاضی فرماتے ہیں کہ کسی صحابی کو برا بھلا کہنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اس سلسلے میں ہمارا اور جمہور امت کا مذہب یہ ہے کہ ناقد و شاتم کو قتل تو نہ کیا جائے لیکن درے لگائے جائیں جب کہ بعض مالکیہ اس کے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق کوفہ کے فقہاء کی ایک جماعت نے بھی مالکیہ کی طرح ایسے شخص کے قتل کا فیصلہ کیا ہے[۲]۔

---

۱ مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ص۳۱۰ ۲ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کا خمینی اور اثنا عشریہ نمبر ماہ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ ص۲۸۶۔

اس کے بعد ناقد و شاتم کے درجہ کی وضاحت اور اس کے حکم کی تصریح کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحؒ اپنی کتاب الصارم المسلول میں فرماتے ہیں:۔

وقال القاضی ابو یعلی الذی علیہ الفقھاء فی سب الصحابۃ ان کان مستحلاً لذلک کفر وان لم یکن مستحلاً فسق ولم یکفر سواء کفرھم او طعن فی دینھم مع اسلامھم[۱]۔

قاضی ابو یعلی نے فرمایا اس مسئلہ پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی بدبخت صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرے اس کو جائز سمجھ کر تو وہ کافر ہے اور اگر جائز نہیں سمجھتا محض گناہ ہی جانتا ہے تو کافر تو نہیں ہوگا لیکن فاسق اور سخت قسم کا گناہ گار ہوگا خواہ یہ گستاخی یہ ہو کر ان کو کافر کہے یا ان کو مسلمان مانتے ہوئے ان کی دینی حیثیت کو مجروح کرے اور ان کو بددین کہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے یہ صراحت کی ہے کہ ہر کافر کی توبہ دنیا و آخرت میں مقبول ہے لیکن اس کافر کی توبہ مقبول نہیں جس نے نبی یا شیخین کو سب و شتم کرکے کفر اختیار کیا ہو[۲]۔

سوال نمبر ۳۲:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنِّی أَبْرَأُ إِلٰی کُلِّ خَلِیْلٍ مِنْ خُلَّتِہٖ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا إِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ قَالَ وَکِیْعٌ یعنی نفسہٗ۔

(الف) اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

(ج) حضرت صدیق اکبر رضؓ کی مختصر مگر جامع سوانح عمری تحریر فرمائیے۔

جواب سوال نمبر ۳۲:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔
حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جان رکھو کہ میں ہر ایک (انسان) قسم کے دوست کی دوستی سے بالکل بے نیاز ہوں (اور نہ ہی

---

۱ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کا خمینی اور اثنا عشریہ نمبر ماہ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ ص۲۸۶۔
۲ ترمذی شریف جلد ثانی ص۲۲۷ حاشیہ نمبر۱۔

کسی انسان کو دوست بنانا میرے لئے مناسب ہے لیکن اگر (بالفرض) میں کسی کو دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر ہی کو بناتا لیکن دوست بنانے کی اسلئے ضرورت نہیں کہ) تمہارے اس صاحب (امام وکیع فرماتے ہیں کہ یہاں آپؐ نے خود کو مراد لیا ہے) کو اللہ نے دوستی کا شرف بخشا ہے اور وہ صرف اللہ کا دوست ہے۔

(ب) ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر۔

اس کے ذیل میں مولانا ساجد صاحب لکھتے ہیں:۔

مطلب یہ ہوگا اگر میرے لئے یہ بات جائز ہوتی کہ میں کسی کو اس شان کیساتھ محبوب اور دوست بناؤں کہ اس کی محبت میرے دل میں گھر کر جائے اور میرے دلی راز و نیاز اس پر بے حجاب ہو جائیں تو میں ابوبکر کو پسند کرتا تاکہ ان کو اس شان کے ساتھ محبوب اور دوست بناؤں لیکن چونکہ ان خصوصیات کیساتھ میں نے صرف اللہ کو دوست بنایا ہے اسلئے جملہ مخلوق میں اس شان و صفات کے ساتھ کوئی دوست نہیں[1]

ان صاحبکم خلیل اللہ،

امام وکیع فرماتے ہیں کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب سے خود کو مراد لیا ہے نیز سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائیت اور کسر نفسی کے طور پر اپنا بلند نام و مرتبہ ظاہر نہیں کیا بلکہ مربی و محسن ہونے کی حیثیت سے اپنے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محض مصاحب قرار دیا۔

تو مطلب یہ ہوا کہ جب میں اللہ کا خلیل اور اس کا دوست ہوا اور رب جلیل نے مجھے اپنی خلت سے نوازا دوستی کے عظیم منصب پر فائز کیا اور طرح طرح کے انعامات و اکرام کی بارش کی تو میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے دل میں اس کی خلت کے علاوہ کسی انسان کو جگہ دوں اور اس کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی رفیق و خلیل ٹھہراؤں۔

خلیل اللہ کے الفاظ سے اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے محبوب اور اس کے خلیل ہیں۔

(ج) "نسل انسانیت کا عطر و جوہر ملت اسلامیہ کا دل و دماغ عالم اسلام کا فقید المثال خلیفہ

---

[1] کشف الحاجہ صفحہ ۹۶ ۱۲

دنیائے انسانی کا لاثانی مدبر و قائد اپنے جان و مال کی آزمائش کی آگ میں جھونکنے والے قدم قدم پر نبی کی رفاقت کرنے اور باطل کے خلاف مسلسل برسر پیکار رہنے والے اس عظیم انسان کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ کنیت ابوبکر ماں کا نام سلمیٰ بنت صخر اور لقب صدیق و عتیق تھا اگرچہ جاہلیت میں اسے عبدالکعبہ سے بھی موسوم کیا گیا لیکن اس دودھ کے دھلے انسان کو یہ مشرکانہ نام قطعاً راس نہ آیا جس کی فطرت میں اطاعت کوٹ کوٹ طبیعت میں شرک سے تنفر اور دل و دماغ میں بیداری رچی بسی تھی اور جس کا سلسلہ نسب محض چھ پشتوں پر ہی نبی آخرالزماں سے جا ملتا ہے۔

جب مکہ میں صدائے نبوت گونجی جب امانت و دیانت کے پیکر ایک امی نے دعوائے نبوت کیا اور انسانیت کی فطرت کو للکارا جب اس نے تمام قومی غرور اصنام و شرور کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور جب باطل کی کوہ کنی اور طاغوت پر تیشہ زنی کیلئے ایک یتیم تن تنہا ہی میدان میں آگیا تو صدیق اکبر بھی بلا پس و پیش ابتلاء و آزمائش کے اس کھولتے سمندر میں کود پڑے اور بے خوف و خطر مستقبل سے بے پرواہ ہو کر انھوں نے جس طرف خیر دیکھی اپنی جان کو جوکھم میں ڈالتے ہوئے اس طرف بڑھتے ہی چلے گئے اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و فکر اور ان کے مشن کی تبلیغ کیلئے وقف ہو گئے۔ مشرکین نے طعنہ دیئے فقرے چست کئے الزامات لگائے بہتان طرازیاں کیں مذاق اڑایا نبی کے ساتھ مارا اور خون میں نہلایا حتیٰ کہ معاشرتی بائیکاٹ تک کر دیا لیکن اس مرد آہن کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ ہوئی جس کو قدرت نے نبی کی ولادت کے دو سال بعد ہی اس کی رفاقت کیلئے ۵۷۳ء میں دنیا میں بھیج دیا تھا اور جس کو تمام اوصاف حمیدہ لیاقت و صلاحیت کا ایسا مجموعہ بنایا تھا کہ جاہلیت میں قریش نے اسے اپنا قاضی و والی بنایا مسلمانوں نے نبی کی مسند خلافت پر بٹھایا اور خداوند قدوس نے انبیاء کے بعد سب سے عظیم انسان ہونے کے شرف سے نوازا اور جس کی فطرت اتنی پاکباز تھی کہ حق گوئی، سخاوت، خدا ترسی، رحمدلی و نرمی اس کے ممتاز اوصاف تھے اور زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب اس کے لبوں کو نہ چھو سکی جس کی ایمانی شجاعت و بسالت اتنے عروج پر تھی کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جھونپڑی کی پہرہ داری کیلئے وہ اکیلا ہی تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور کسی طاغوت کے بندے باغی فطرت کو قریب تک نہ پھٹکنے دیا اور جب وفات نبوی کے وقت کفر و ارتداد کی وبائیں پھوٹیں تو ان زہریلے عناصر پر وہ شیر کی طرح گرجا اور بادل کی طرح کڑکا اور ایک سال سے پہلے ہی اس شیطانی فتنہ اور طاغوت کے منصوبے کی بساط لپیٹ دی۔ یہی اپنے وقت

کا ایسا حاتم تھا کہ اپنے مال کو راہ دین میں پانی کی طرح بہایا ہزاروں مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا سینکڑوں غلاموں کو آزاد کرایا اور بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا سب کچھ نچھاور کردیا اور اتنا خرچ کیا کہ آپؐ بھی آخر آخر تک ان کے جان و مال سے نفع محسوس کرتے رہے اور برابر شکر گذار رہے۔

لیکن طاغوت کا زور توڑ کر شیطان کا پنجہ موڑ کر ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ کی درمیانی شب میں جب اس دریا دل انسان نے دنیا سے کوچ کیا تو ایک تاریخی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے تین لڑکوں تین لڑکیوں اور تین بیویوں کے علاوہ دیگر ورثاء کیلئے ایک پرانا پیالہ ایک دبلی اونٹنی اور ایک پھٹی پرانی چادر ترکہ میں چھوڑی اور اس دار فانی میں ۶۳ بہاریں گذار کر ایمان و یقین، صداقت و امانت اور نور و ہدایت کا یہ عظیم پیکر اپنے اس آقا کے پڑوس میں جا سویا جس کی تادم حمایت و نصرت کا وعدہ کر رکھا تھا اور دنیا کو بتا دیا کہ محبت اسے کہتے ہیں کہ ساتھ ہی ایک شہر کو چھوڑا دوسرے کو مسکن بنایا ایک دوسرے کے دکھ درد کو جھیلتے ہوئے بھی رفاقت و مصاحبت قائم رہی اور بالآخر قیامت تک کیلئے اسی کے جوار رحمت میں ابدی نیند سو گیا۔[1]

ذیل میں اسی سلسلے کی چند احادیث درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔ عن انس رضؓ قال قیل یارسول اللہ ای الناس احب الیک قالت عائشۃ رضؓ قیل من الرجال قال ابوھا (ابن ماجہ)

۲۔ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنۃ من امتی (ابوداؤد)

۳۔ عن حذیفۃ بن الیمان رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (ترمذی)

۴۔ عن عائشۃ رضؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی لقوم

[1] صدیق اکبر رضؓ کے حالات کو قلمبند کرنے میں تاریخ اسلام جلد اول سے مدد لی گئی ہے اور حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ صدیق اکبر رضؓ کی پوری زندگی اس مختصر مضمون میں سمٹ آئے۔

فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ۔

۵۔ عن ابن عمر رضؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر انت صاحبی فی الغار وصاحبی علی الحوض (ترمذی)

سوال نمبر ۳۳:۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَنْ یُصَافِحُہُ الْحَقُّ عُمَرُ وَاَوَّلُ مَنْ یُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَاَوَّلُ مَنْ یَاْخُذُ بِیَدِہٖ فَیُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ

(الف) اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجئے۔

(ب) حضرت عمر کی مختصر سوانح عمری تحریر فرمایئے۔

(ج) "اول من یصافحہ الحق الخ" کی مختلف توجیہات پیش کرنے کے بعد بتایئے کہ کیا "الحق" سے ذات خداوندی بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ نفی و اثبات میں جو جواب لکھیں مدلل لکھیں۔

جواب سوال نمبر ۳۳:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابی کعب رضؓ فرماتے ہیں کہ (قیامت میں) جس انسان سے حق سب سے پہلے مصافحہ کرے گا وہ عمر ہوں گے اور عمر ہی کو سب سے پہلے حق سلام کرے گا اور انھیں کا ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے جنت میں داخل کرے گا۔

(ب) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مکی زندگی میں اسلام کے اقبال و عروج اس کی شان و شوکت اور اس کی قوت و عظمت کیلئے برابر یہ دعا فرمایا کرتے تھے" اللھم اعز الاسلام بعمر" اے اللہ عمر کے ذریعہ اسلام کو عزت و طاقت عطاء فرما۔

یہ دعا آپ اس رعب و دبدبہ کے مالک عظمت و صلابت کے مینارے اور شجاعت و بسالت کے اس پہاڑ کیلئے مانگا کرتے تھے جو ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل خطاب بن نفیل کے غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا جس کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں جاکر آپ سے مل جاتا ہے جس کا بچپن و لڑکپن اونٹوں اور بکریوں کے چرانے میں گذرا، جوانی میں سپہ گری پہلوانی شہسواری اور سفارت میں اہم مقام پیدا کیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا النذیر العریان کی آواز لگائی لا الہ الا اللہ کی صدائیں بلند کیں اور شرک و بت پرستی کے خلاف علی الاعلان جہاد شروع کیا تو کفار مکہ کی طرح یہ بھی بھڑک اٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید و تکذیب کیساتھ نعوذ باللہ آپ کے قتل تک کا ارادہ کرلیا لیکن ان کی زندگی کا یہی خطرناک ارادہ بہن و بہنوئی کے ایمان و

خون کی حرارت سے ایک خوشگوار واقعہ بن کر ایمان کی جانب کھینچ لایا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں آگرے ان کا اسلام لانا تھا کہ مسلمانوں کی اللہ اکبر کی صداؤں سے ابو قبیس کی چوٹیاں گونج اٹھیں۔

فاروق اعظم کے اسلام سے پہلے مسلمان اپنے ایمان کو چھپائے پوشیدہ طور پر نمازیں پڑھتے اور چھپ چھپ کر وحی الٰہی کے مطابق عمل کرتے لیکن عمر رضؓ نے اسلام لانے کے بعد کافروں سے جنگ وجدال کیا اور اتنی معرکہ آرائیاں کیں کہ مجبور ہو کر کفار مکہ کو مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دینی پڑی۔

ہجرت کی اجازت نازل ہونے کے بعد جب کمزور مسلمان چھپتے چھپاتے ہجرت کرنے لگے اور پوشیدہ طور پر یثرب کی جانب کوچ کرنے لگے تو فاروق اعظم نے تلوار سنبھالی ترکش ہاتھ میں لیا اور کفار کی غیرت کو للکارتے ہوئے علی الاعلان ہجرت کی کسی بھی بدباطن کو اس شیر ببر کے چھیڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اپنے ایمانی عہد کو نباہتے ہوئے ہر ہر قدم ہر ہر غزوہ میں آنحضرت صلعم کیساتھ ساتھ رہے دربار رسالت سے فاروق کا خطاب ملا نیز جنگ بدر کے اساری مسئلہ حجاب اور ابن ابی کی نماز جنازہ کے سلسلے میں بذریعہ وحی آپ کی رائے عالی کی تصویب فرمائی گئی اسی کی بناء پر رسول اللہ صؐ نے فرمایا "ان اللہ وضع الحق علیٰ لسان عمر" اور آپکی جامع صفات کے پیش نظر لسان نبوی سے یہ کلمات جاری ہوئے "لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صدیق اکبر رضؓ کے مشیر خاص ان کے دست راست بنے رہے اور اپنی ذہانت وذکاوت سے خلافت کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہے جب صدیق اکبر رضؓ نے اپنی وفات سے پہلے انھیں خلیفہ نامزد کیا مسلمانوں نے ان کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہوئے بیعت کی تو اسلام کے عروج واقبال میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور فتوحات کا تو گویا سیلاب امنڈ پڑا مسلمانوں کی ایسی زبردست بے مثال حکومت کی بنیاد پڑی جو بیک وقت عراق ایران خراسان وبلوچستان شام وفلسطین اور مصر وآرمینیا کا احاطہ کئے ہوئے تھی اور جس کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تھا۔

۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ چہارشنبہ کا وہ منحوس دن تھا جب ابولؤلؤ فیروز بدبخت نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور لگاتار چھ وار کئے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو یہ بے مثال قائد اپنے وارثوں کو روتا بلکتا عالم اسلام کو غمگین چھوڑ کر اپنے دونوں بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے جاملا نماز جنازہ صہیب رومی رضؓ نے پڑھائی حضرت عثمان عبد الرحمٰن بن عوف علی زبیر اور آپ کے بیٹے عبد اللہ بن عمر نے روضہ اقدس میں بائیں جانب سپرد خاک کیا اور یوں اسلام کا وہ درخشاں ستارہ غروب ہو گیا جس کے دم سے اسلام کی شان وشوکت قائم تھی جس کی ایمانی شعاعوں سے روم وایران کی آنکھیں خیرہ ہو چکی تھیں تعلیمات الٰہی کا وہ امین اٹھ گیا جس سے قرآن و حدیث کے غلغلے اور محراب ومنبر پر رونق تھے شریعت محمدی کا وہ پاسباں روٹھ گیا جس سے شیطانوں اور دجالوں کے پتے پانی ہوا کرتے تھے ملت اسلامیہ کا وہ شیر سو گیا جس کی ہیبت سے یہودیوں عیسائیوں رومیوں اور ایرانیوں کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔[۱]

علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ حق سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کو صاحب الحق کہا جاتا ہے اور جس کی وساطت سے رب جلیل الہامات کو عباد صالحین کے قلوب تک القاء کرتے ہیں علامہ ابن حجر رح کی بھی یہی رائے ہے۔

اہل علم کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ حدیث باب میں حق سے باطل کی ضد مراد ہے اور سلام ومصافحہ سے حضرت عمر اور حق کی باہمی مقاربت اور انسیت کو بطور تشبیہ تعبیر کیا گیا ہے یعنی حق ان کے رگ وریشہ اور گوشت پوست میں رچ بس گیا ہے اور وہ حق بات کے علاوہ کچھ نہیں کہتے علامہ سید انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ان توجیہات کے بعد اس کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ حق سے مراد ذات خداوندی کو بھی لیا جا سکتا ہے حضرت مولانا رحمت اللہ لکھنوی نے جامع المناقب[۲] میں حق کا ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی سے کیا ہے اور الحق بذات خود اسم الٰہی بھی ہے نیز قرآن وحدیث میں بیشتر مقامات پر خداوند قدوس پر حق کا اطلاق کیا گیا ہے واضح رہے کہ حافظ ذہبی اور علامہ کشمیری کی تصریح کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے۔

---

[۱] حضرت عمر کی سوانح میں تاریخ اسلام جلد اول سے مدد لی گئی ہے [۲] دیکھئے جامع المناقب ۵۵ اس کے علاوہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے اپنے درس ابن ماجہ میں تصریح کی تھی کہ یہاں ذات خداوندی مراد لی جا سکتی ہے۔ احقر نے مزید اطمینان کیلئے بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کی طرف رجوع کیا تو مولانا موصوف نے بتایا کہ دیگر اقوال کے بالمقابل یہاں ذات خداوندی کو مراد لینا زیادہ راجح ہے۔

سوال نمبر ۳۴:۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاص رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لِعَلِیٍّ رض اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی۔

(الف) اعراب لگا کر حدیث پاک کا ترجمہ کیجئے اور حدیث کے شان ورود پر مختصر روشنی ڈالئے۔

(ب) روافض امامیہ اور شیعہ نے اس حدیث سے شیخین کی خلافت کے بطلان پر استدلال کیا ہے آپ اس حدیث کا صحیح محل اور توجیہ لکھئے اور شیخین کی خلافت کو دلائل سے ثابت کیجئے۔

(ج) حضرت علی رض کی زندگی پر اختصار سے روشنی ڈالئے اور ان کے مناقب میں وارد کم از کم تین احادیث سپرد قلم کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۳۴:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔
حضرت سعد بن ابی وقاص رض فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض سے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون ع کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔
ماہ رجب سنہ ۹ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر ہرقل کے مقابلہ کیلئے تبوک روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر اپنے گھر بار کی حفاظت و نظامت کیلئے حضرت علی رض کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ دیا اور تمام صحابہ کو لیکر تبوک کا رخ کیا ادھر مدینہ میں منافقین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض کو بار سمجھ کر یہاں چھوڑ دیا آپ کو علی رض سے کوئی خاص لگاؤ نہیں حضرت علی رض یہ طعنہ سن کر نہایت مغموم و دل برداشتہ ہوئے اور مسلح ہو کر بڑی تیزی سے نکلے اور ایک کوس کے فاصلہ پر مقام الجرف میں اسلامی لشکر سے جا ملے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے پروپیگنڈہ کی تفصیل کہہ سنائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر فرمایا منافقین جھوٹے ہیں میں نے تم کو اپنے گھر بار کی حفاظت کیلئے مدینہ میں چھوڑا ہے اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون ع کو موسیٰ ع سے تھی (کیونکہ موسیٰ ع جب طور پر گئے تو اپنے گھر بار اور امت کی حفاظت کیلئے ہارون ع کو نامزد کر گئے) فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں[1]۔

(ب) علماء حق فرق باطلہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے شیعوں کا استدلال خلافت

[1] تاریخ اسلام جلد اول ص ۲۱۹

بعد النبی علی کا حق تھی قطعاً درست نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے اپنی عدم موجودگی میں صرف غزوہ تبوک کے موقع پر علی کو اپنا جانشین و والی بنایا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارون ع کو خلیفہ بنایا تھا وہ نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہی وفات پا گئے تو جب مشبہ بہ خلیفہ نہ بنا تو مشبہ کو کس طرح خلیفہ قرار دیا جا سکتا ہے نیز اگر یہ عارضی خلافت و جانشینی خلافت کبریٰ کی دلیل ہے تو پھر عبد اللہ ابن ام مکتوم رض کو بھی خلافت و امامت ملنی چاہئیے کیونکہ ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر موجودگی میں خلیفہ و جانشین بنایا ہے۔ جلیل القدر محدث و مفسر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی اس حدیث کے تمام اشکالات کو رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"پس بادشاہ کا دار السلطنت سے نکلتے وقت تا واپسی کسی کو وقتی طور پر نائب السلطنت مقرر کر جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد بھی وہ شخص بادشاہ ہوگا تو خلافت و نیابت محض خانگی امور اور اہل و عیال کی نگرانی سے متعلق ہے اس کو خلافت کبریٰ کی دلیل بنانا کمال ابلہی ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ قائم مقامی خود بخود ختم ہو جاتی۔ کسی فرد بشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ وہ ان صحابہ کی وقتی خلافت اور عارضی نیابت کو ان حضرات کی خلافت بلافصل اور امامت کبریٰ کی دلیل سمجھتا رہا یہ امر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کیساتھ تشبیہ دی ہے سو ہم یہ عرض کریں گے کہ اس تشبیہ سے بے شک ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن تشبیہ سے تمام امور میں مساوات لازم نہیں اس حدیث میں اگر حضرت علی رض کو حضرت ہارون ع کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو اسارائے بدر کے بارے میں جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام رض سے مشورہ کیا تو اس وقت آپ ﷺ نے ابوبکر صدیق رض کو حضرت ابراہیم ع اور

[1] سیرت مصطفیٰ۔

حضرت عیسیٰ ؑ کیساتھ تشبیہ دی اور حضرت عمر رضؓ کو حضرت نوح ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ کیساتھ تشبیہ دی جیسا کہ غزوہ بدر کے بیان میں مفصل گزرا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا "انت بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ" کہنے سے کہیں زیادہ بالا اور برتر ہے
اس تفصیل و توجیہ کے بعد اب ذیل میں شیخین کی خلافت و نیابت کے دلائل قلمبند کئے جاتے ہیں:-

۱- عن حذیفۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی واشار الی ابن بکر رضؓ و عمر رضؓ
(ترمذی و ابن ماجہ)

۲- عن عائشۃ رضؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں صدیق اکبر رضؓ نے امام کے فرائض انجام دیئے اور اسی بناء پر حضرت عمر رضؓ نے صدیق اکبر رضؓ سے کہا قدملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امر دیننا فمن الذی یؤخرک فی دنیانا"

۳- لوکان بعدی نبی لکان عمر۔

۴- عن انس رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر و عمر سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین۔
یہ روایت انبیاء و رسل کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کو قرار دیتی ہے لہٰذا خلافت بعد النبی کے بھی وہی مستحق ہیں۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و پکار پر جہاں صدیق اکبر خدیجۃ الکبریٰ اور زید بن حارثہ نے لبیک کہتے ہوئے اپنے اپنے طبقہ میں اول الاسلام کا اعزاز و خطاب حاصل کیا وہیں ہاشمی خاندان کا ایک معصوم بچہ عہد طفولیت ہی میں اپنے خاندان و معاشرہ سے بغاوت کر کے رسول ہاشمی کے دامن سے ہمیشہ کیلئے وابستہ ہو گیا اور اپنے ہم عمروں میں سب سے پہلے اسلام و ایمان لانے کی سعادت سے مشرف ہوا جس کا نام علی بن ابی طالب کنیت ابو الحسن اور دربار رسالت سے ملا لقب ابو تراب تھا جو ایمانی شجاعت کے ساتھ ظاہری جسامت میں بھی میانہ قد اور دوہرے بدن کا حامل تھا۔

ذرا سوچئے تو سہی جب باد مخالف سے بڑے بڑے سورماؤں کے قدم اکھڑ رہے تھے جب طوفان کے آثار دیکھ کر اچھے اچھے خوفزدہ ہو رہے تھے جب پہلوانوں اور بہادروں کی ہمتیں جواب دے

رہی تھیں اور ایمان لانا گویا عرب و عجم سے دشمنی مول لینا موت کو دعوت دینا تھا تو ایسے سنگین حالات میں ایک دبلے پتلے بچے کے اندر کہاں سے یہ ہمت آ گئی کہ خونچکا تیر سہنے معاشرہ میں اچھوت بننے کیلئے وہ نبی امی کیساتھ ہو لیا اور اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا جس کی مخالفت ہر عربی بڑے بچے کی ذمہ داری تھی اور جس کو قبول کرنے سے اس کے خاندان کے بڑے بوڑھے صاف انکار کر چکے تھے اور پیغمبر آخر الزماں کی اتباع محبت و عقیدت میں وہ اتنا سخت جان ثابت ہوا کہ ہر ہر نشیب و فراز میں وہ نبی کی رفاقت نباہتا رہتا تھا مکہ کی تیرہ سالہ قیامت سوز زندگی میں جو تیر نبی پر داغے گئے شیطان کے توپ خانوں سے جو دائی حق پر بمباری کی گئی فاطمہ بنت اسد کا سپوت کا چچا زاد بھائی اور لاڈلا داماد علی مرتضیٰ رضؓ بھی اس سے گھائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا مزید یہ کہ ہجرت کے موقعہ پر بلا چون و چرا اس بستر پر لیٹ گیا جو صبح کو مقتل بننے والا تھا ان قربانیوں کی بدولت قدرت نے اس کے بازوؤں میں وہ فولادی طاقت عطا کی جو اس شیر خدا سے ٹکرایا پس گیا جو مقابلہ پر آیا لرز گیا اور جس نے اس کو چیلنج کیا وہ خاک و خون میں تڑپ کر رہ گیا اور اسلام کی غزوہ تبوک کے علاوہ ہر ہر جنگ میں اس نے اپنی عقاب کی سی بے باکی اور گرجناک آواز سے کفار کے دل دہلا دیئے بڑے بڑے سورماؤں کی صفیں الٹ دیں۔

۱۶ رمضان المبارک بروز جمعہ ۴۰ھ میں خوارج کی منصوبہ بند سازش کے تحت عبد الرحمن ابن ملجم خبیث نے اس خیر و ہدایت شجاعت و بسالت کے پیکر خلیفہ رابع پر فجر کی نماز کے وقت مسجد میں قاتلانہ حملہ کیا لیکن اس غم اور شدید تکلیف کے باوجود آپ پورے دن بقید حیات رہے اور دوسرے دن ۱۷ رمضان المبارک بروز سنیچر ۴۰ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر کے امت کو داغ مفارقت دے گئے اور یوں خلافت راشدہ کی کتاب اور اس کا وہ روشن باب بند ہو گیا جو عہد صدیقی سے برابر کھلا ہوا تھا جس میں روزانہ بے شمار فتوحات کا اندراج ہو رہا تھا مسند خلافت خالی اور بزم دین اس کے اٹھ جانے سے سونی ہو گئی جس کی بیباکی مسلم اور جس کی قائدانہ صلاحیتوں کی دنیا معترف رہی جو حق و صداقت کی خاطر طوفانوں کا رخ موڑنے اور چٹانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا تھا جو باطل کیلئے شمشیر برہنہ اور اعدائے اسلام کیلئے خدائی قہر تھا۔

ہزار ہا ہزار رحمتیں ہوں اس بندے پر جس نے اپنے زمانہ طفولیت و شباب نیز کہولت کو اسلام کیلئے وقف کر دیا اور ہزار ہا ہزار لعنت ہو اس خبیث پر جس نے عالم اسلام کو ایسے خدا ترس بیدار مغز اور شیر دل خلیفہ سے محروم کر دیا۔

اے خدا کے شیر الوداع، اے خلیفہ رابع الوداع

حضرت علی رضؓ کے مناقب میں وارد ہوئی احادیث :—

۱- عن زر بن حبیش قال قال علی رضی اللہ عنہ والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ انہ لعھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیّ ان لا یحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق (مسلم)۔

۲- عن عمران بن حصین رضؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان علیاً منی وانا منہ وھو ولی کل مؤمن (ترمذی)

۳- عن ابن عمر رضؓ قال آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ فجاء علی تدمع عیناہ فقال آخیت بین اصحابک ولم تواخ بینی و بین احدٍ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت اخی فی الدنیا والآخرۃ (ترمذی)۔

۴- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضؓ الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (متفق علیہ)

۵- عن ام عطیۃ رضؓ قالت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیشاً فیھم علی رضؓ قالت فسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو رافع یدیہ یقول اللھم لا تمتنی حتی تُرِیَنی علیاً (ترمذی)

سوال ۳۵ :- عن علی رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کُنتُ مُستَخلِفاً اَحَداً عَن غَیرِ مَشوَرَۃٍ لَاستَخلَفتُ اِبنَ اُمِّ عَبدٍ

(الف) اعراب و ترجمہ کے بعد بتائیے کہ ابن ام عبد کون ہیں؟

(ب) روایت مذکورہ کے استخلاف کے بارے میں واضح کریں کہ اس کا تعلق خلافت عالیہ سے ہے یا کسی بھی جگہ جانشینی مقرر کرنے کیلئے مشورہ ضروری ہے؟

(ج) اگر ابن ام عبد قریشی نہیں تو "الائمۃ من قریش" کی صراحت کے باوجود ان کے استخلاف کی بات کیوں مذکور ہوئی؟

جواب سوال ۳۵ :- (الف) اعراب کیلئے اوپر درج بالا حدیث دیکھیے۔

حضرت علی رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں بلا مشورہ کسی کو خلیفہ بناتا تو صرف ابن ام عبد کو بناتا۔

ابن ام عبد سے عبداللہ بن مسعودؓ مراد ہیں آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن اور والدہ کا نام ام عبد تھا زمانہ جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ سے متاثر ہو کر ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے اور سابقین اولین میں ان کا شمار ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی اور تقریباً تمام ہی غزوات میں شریک رہے نیز اسلام کے فرعون ابو جہل کا ناپاک سر آپ نے ہی اس کے جسم سے جدا کیا سنہ ۲۰ھ میں فاروق اعظم رضؓ نے انھیں کوفہ کا قاضی و والی نامزد کیا کوفہ کے تمام علماء بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کی عظیم شخصیت کے مرہون منت ہیں آپ حضرت عثمان رضؓ کے دور خلافت میں اور اپنی آخری عمر میں مدینہ منورہ واپس چلے آئے اور سنہ ۳۲ھ میں انتقال کیا رات کے وقت جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا انتقال کے وقت آپکی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی (رضی اللہ عنہ)۔

(ب) امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں خلافت عالیہ کبریٰ مراد نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر پر امیر بنانے یا کسی خاص جزئی کام کا پیشوا و نائب بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ عالم جلیل، حبر الامۃ اور صاحب مناقب و فضائل ہونے کے باوجود قریشی نہیں ہیں اور خلافت عالیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الائمۃ من قریش" کی رو سے خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے لہٰذا اس حدیث سے خلافت عالیہ مراد لینا درست نہیں۔

کسی لشکر پر امیر بنانے یا کسی بھی جگہ جانشین مقرر کرنے کیلئے امام کیلئے مشورہ ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے اور یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ جس کو مفید و مناسب سمجھے اسے جانشین اور قاضی وغیرہ مقرر کر دے حدیث باب میں "بغیر مشورۃ" کی صراحت اسلئے ہے کہ آپ کو عبداللہ بن مسعودؓ کی صلاحیتوں اور خدا ترسی پر اتنا اعتماد ہے کہ انھیں خلیفہ و جانشین مقرر کرنے کیلئے کسی خاص مشورہ کی ضرورت نہیں اور دنیاوی امور میں عدم مشورہ سے عموماً جو نقصانات ہوا کرتے ہیں عبداللہ بن مسعود رضؓ کے بارے میں ان خطرات و وساوس کا کوئی امکان نہیں تو اس صورت میں ان کے بارے میں مشورہ و عدم مشورہ دونوں برابر ہیں۔

(ج) جس طرح کہ تقدیر کے مسئلہ میں یہ تاویل کی جاتی ہے کہ نیکی و دعا کی اہمیت کی وضاحت کے لئے "لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یزید العمر الا البر" فرمایا گیا اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضؓ کی عظیم شخصیت اور آپ کے علم و تفقہ نیز ان کی خداداد صلاحیتوں پر اپنا اعتماد ظاہر کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ایسا کچھ عوارض کی بناء پر کروں گا تو نہیں لیکن اگر کرتا تو ابن مسعود رضؓ کے حق میں کرتا۔

اور یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسا کہ آپ نے صدیق اکبر رضؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا "لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر"۔
اسی طرح ختم نبوت کو اجاگر کرنے اور فاروق اعظم کی شان ان کی رفعت وعظمت بتلانے کیلئے فرمایا گیا" لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ"۔ تو اس طرح کے فرض کیے ہوئے واقعات سے ان حضرات کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے اور فی نفسہٖ یہی مطلوب ہوا کرتی ہے۔
بعض حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن مسعودؓ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد غالباً "الائمۃ من قریش" کی تصریح سے پہلے کا ہے۔
یاد رہے کہ یہ توجیہات جب ہی کی جائیں گی جب کہ حدیث باب سے بالفرض خلافت عالیہ مراد لی جائے ورنہ امام تورپشتی کی رائے اور ان کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد کسی توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

سوال ۳۶ :۔ باب فی ذکر الخوارج

عن اَبِی سَلَمَۃَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِی سَعِیدِن الخُدرِیؓ هَل سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ یَذکُرُ فِی الحَرُورِیَۃِ شَیئًا فَقَالَ سَمِعْتُ یَذکُرُ قَومًا یَتَعَبَّدُونَ وَیَحْقِرُ اَحَدُکُم صَلٰوتَہٗ مَعَ صَلٰوتِہِم وَصَومَہٗ مَعَ صَومِہِم یَمْرُقُونَ مِنَ الدِّینِ کَمَا یَمْرُقُ السَّہْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ اَخَذَ سَہْمَہٗ فَنَظَرَ فِی نَصْلِہٖ فَلَمْ یَرَ شَیئًا فَنَظَرَ فِی رِصَافِہٖ فَلَمْ یَرَ شَیئًا فَنَظَرَ فِی قِدْحِہٖ فَلَمْ یَرَ شَیئًا فَنَظَرَ فِی القُذَذِ فَتَمَارٰی هَل یَرٰی شَیئًا اَمْ لَا۔

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔
(ب) فرقہ خوارج کا تاریخ کی روشنی میں تعارف کرائیے۔
(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

جواب سوال ۳۶ :۔ (الف) اعراب کیلئے اوپر کی حدیث دیکھئے۔

حضرت ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے حروریہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہتے سنا ہے تو انھوں نے کہا (ہاں) میں نے آپکو ایک قوم کا تذکرہ کرتے سنا کہ وہ اتنی عبادت کرے گی کہ (اس کے ظاہر کو دیکھ کر) تم میں کا ہر ایک اس کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو اور اس کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر وکمتر سمجھے گا (لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے (آگے ان کی بے دینی کی تمثیل ہے) مثلاً کوئی (شکاری) اپنے (پھینکے

ہوئے) تیر کو پکڑ کر اس کی نوک پر (شکار کا نشان) دیکھے لیکن وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی پھر تیر کے پٹھے کو دیکھے وہاں بھی بظاہر کوئی علامت نہیں پھر قدح کی جانب دیکھے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں تو اب وہ تیر کے پر کی طرف نظر کرتا ہے تو شبہ میں پڑجاتا ہے کہ یہ (شکار کا خون ہے یا نہیں) تو جس طرح تیر کے شکار سے نکلنے کے بعد کوئی علامت نہیں اسی طرح اس قوم کے اسلام وایمان سے نکلنے کے بعد کوئی دینی علامت تک نہ رہے گی اور وہ اسلام وایمان نیز دین و شریعت سے قطعاً ہاتھ دھو بیٹھے گی۔

(ب) جنگ صفین میں جب بہت زیادہ خون خرابہ ہوا اور دونوں ہی جانب سے مسلمانوں کا زبردست جانی ومالی نقصان ہوا اور جب حضرت علی رضؓ کے تحت لڑنے والے اشتر کے پے در پے حملوں سے شامی فوجوں کے قدم اکھڑنے لگے تو حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی ایماء پر امیر معاویہ رضؓ کے حکم سے شامیوں نے اپنے نیزوں پر قرآن کریم کو بلند کیا اور زور زور سے کہنے لگے" ھذا کتاب اللہ بیننا وبینکم" ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرے گا چنانچہ حضرت علی رضؓ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا صلح وصفائی کی جانب پیش رفت ہونے لگی اور دونوں جماعتوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ اور عمرو بن العاص رضؓ کو حکم مقرر کرنے کے بعد فیصلہ کیلئے انھیں چھ مہینے کی مہلت دی۔ اتنا ہونے کے بعد دونوں لشکروں نے اپنے کجاوے کسنے شروع کردیئے اور کوچ کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں حضرت امیر معاویہ رضؓ تو بآسانی اپنی قیام گاہ پہونچ گئے لیکن جب حضرت علی رضؓ ۱۳ ربیع صفر ۳۷ھ کو کوفہ کا قصد کیا تو کچھ شرپسندوں نے آپکو دوبارہ شامیوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی حضرت علی رضؓ نے اقرار نامے کے بعد اس بدعہدی اور غدر سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ فیصلہ کی میعاد تک ہمیں انتظار وتوقف کرنا چاہیئے آپ کے اس جواب سے مایوس ہو کر انھوں نے خروج وبغاوت کی ٹھانی اور کوفہ کے قریب اپنے ہم خیال بارہ ہزار کی جماعت کو لیکر حضرت علی رضؓ کے لشکر سے الگ ہو کر حروراء میں جابسے عبداللہ بن الکواء کو اپنا امام اور شیث بن ربعی کو سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد خوارج نے اپنے منشور کا اعلان کردیا۔

"بیعت صرف خدائے تعالیٰ کی ہے اور سنت رسول اللہ صلعم کے مطابق نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا ہمارا فرض ہے کوئی خلیفہ کوئی امیر نہیں فتح حاصل ہونے کے بعد سارے کام مسلمانوں کے مشورے اور کثرت رائے سے انجام دیئے جایا کریں گے امیر معاویہ اور علی دونوں یکساں اور خطاکار ہیں۔"

اس اعلان کے بعد حضرت علی رض انھیں سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے اور بڑی کوشش کے بعد ان کو دوبارہ کوفے لے آئے اور تمام حضرات حکمین کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔
وقت تیزی سے گذرتا رہا فیصلہ کی تاریخ آپہونچی اور دونوں گروپ کے لوگوں نے فیصلہ سننے کیلئے جائے مقررہ کی طرف کوچ کرنا شروع کردیا لیکن جب حکمین نے اپنے اپنے فیصلے سنائے اور عمرو بن العاص رض نے امیر معاویہ کو بحال کرتے ہوئے حضرت علی رض کو معزول کرایا تو حامیان علی رض بھڑک اٹھے حضرت علی رض نے بھی اس جانبدارانہ فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور دوبارہ شامیوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کیں اب خوارج کو بھی موقع ہاتھ آگیا وہ حضرت علی کو ملامت کرنے لگے کہ انھوں نے حکمین کو مقرر کرکے سخت غلطی کی تھی نیز اس طرح وہ گناہ کے مرتکب ہوئے اور اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہوسکتے لیکن حضرت علی رض نے اپنے گناہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ جب گناہ نہیں تو توبہ کا کیا مطلب۔
یہ سن کر خوارج طیش میں آگئے اور " لاحکم الا اللہ لاحکم الا اللہ " کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے۔ اس کے بعد حضرت علی رض کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو مسجد کے گوشہ سے ایک خارجی نے " لاحکم الا اللہ " کی آواز لگائی حضرت علی رض نے ان کے جواب میں یہ تاریخی جملہ کہا " کلمۃ حق ارید بہ الباطل " اور انھیں ہر طرح سے سمجھایا لیکن ان کے لاکھ سمجھانے کے باوجود یہ کج فہم اور گمراہ لوگ باز نہ آئے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں کوفہ سے نکل کر چھپتے چھپاتے مقام نہروان پہونچ کر اپنی بڑھتی ہوئی پچیس ۲۵ ہزار کی تعداد کو منظم کرکے اپنی حکومت قائم کی اور حضرت علی رض اور ان کے تابعین پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے ان سے جہاد و قتال ضروری قرار دیا۔
اتنا ہونے کے باوجود حضرت علی رض انھیں راہ راست پر لانے کیلئے دوبارہ تشریف لیگئے ہر طرح کے دلائل و براہین سے اپنے موقف کی وضاحت کی لیکن یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ بار بار یہی کہتے رہے " تم نے قرآن کی نافرمانی کی اور کافر ہوئے اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہوسکتے " اور پوری طرح لڑنے کیلئے تیار ہوگئے۔
ان کی اس بڑھتی سرکشی کے پیش نظر حضرت علی رض نے شام کی مہم مؤخر کی اور پہلے انھیں نمٹنے کا فیصلہ کیا نیز فوج کو منظم کرنے کے بعد آپ نے یہ اعلان کرادیا کہ جو خارجی بغیر لڑے یہاں سے چلا جائے گا وہ مامون رہے گا اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اس اعلان کے بعد دو تہائی سے زیادہ خارجی وہاں سے بھاگ نکلے بقیہ ایک تہائی کو گھیر کر

حضرت علی رض نے تہ تیغ کردیا لڑنے والوں میں صرف نو آدمی ہی زندہ بچ سکے اس طرح بروقت یہ فتنہ بالکل دب گیا۔[۱]

خوارج کے چند مشہور عقائد:-

۱- مرتکب کبیرہ کافر ہے اور آخرت میں وہ مخلد فی النار ہوگا۔
۲- خوارج کا ہر مخالف کافر اور کبیرہ کا مرتکب ہے، اسلئے اس سے قتال ضروری ہے۔
۳- حضرت عثمان حضرت علی اور حضرت عائشہ سے بغض و عداوت بھی ان کے عقائد میں داخل ہے
۴- رؤیت باری تعالیٰ ممکن نہیں ہے۔
۵- کلام اللہ مخلوق ہے۔
۶- صحابہ قطعاً گ نہیں۔
۷- حضرت علی رض امیر معاویہ رض اور ان کے حامی تمام صحابہ و تابعین کافر ہیں۔
۸- ظالم و فاسق امام سے خروج نہ کرنیوالے اور سکوت و توقف اختیار کرنے والے بھی کافر ہیں۔
۹- نوع انسانی میں کوئی قبیلہ و خاندان کسی قبیلے و خاندان سے افضل نہیں حتیٰ کہ قریش کو بھی دیگر قبائل پر کوئی فوقیت نہیں اور کوئی بھی قبیلہ خلافت کا امیدوار ہوسکتا ہے نیز غیر قریشی کو خلیفہ بنانا افضل ہے۔
۱۰- خلیفہ کا انتخاب آزادانہ طور پر کیا جائے گا اور وہ عدل و تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے ہی خلیفہ رہ سکے گا ظالم یا فاسق ہونے کی صورت میں اس کو قتل کرنا یا معزول کرنا ضروری ہے۔
۱۱- خوارج قریش سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور ہر اس امر کے منکر ہیں جو ان کے اصولوں سے ٹکرائے یا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔
۱۲- بعض خوارج حالت حیض میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے قائل ہیں۔

خوارج کے چند بنیادی فرقے:-

۱- ازارقہ:- یہ فرقہ بنی حنیفہ کے ایک شخص نافع بن ازرق کی جانب منسوب ہے خوارج میں

[۱] خوارج کے حالات مرتب کرنے میں دیگر کتابوں کے علاوہ تاریخ اسلام سے خصوصی مدد لی گئی ہے۔"

سب سے زیادہ متشدد اور ضدی فرقہ ہے جو اپنے مخالفین کے گھروں کو دارالحرب قرار دیتا ہے اور مخالفین کے بوڑھے بچے اور عورتوں کے قتل کے جواز کا قائل ہے نیز اس کے نزدیک انبیاء و رسل سے بھی صغائر و کبائر کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔

۲۔ نجدات:۔ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص نجدہ بن عویمر کی جانب منسوب ہے اور تشدد و تغلغل میں ازارقہ کا ہمسر ہے۔

۳۔ صفریہ:۔ زیاد بن اصفر کی جانب منسوب ہے فرقہ ازارقہ سے کم اور دیگر تمام فرقوں سے زیادہ متشدد ہے۔

۴۔ عجاردہ:۔ یہ فرقہ عبدالکریم بن عجرد سے تعلق رکھتا ہے جو عطیہ بن اسود حنفی کا پیرو ہے۔

۵۔ اباضیہ[1]:۔ عبداللہ بن اباض تابعی کی جانب منسوب ہے اہل سنت والجماعت سے سب سے زیادہ قریب اور خوارج میں سب سے زیادہ سلجھا ہوا یہی فرقہ ہے[2]۔

۶۔ ثعالبہ:۔ ثعلبہ بن عامر کی جانب منسوب ہے جو ابتداء میں عبدالکریم بن عجرد کا ہم خیال تھا پھر ایک مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد پر الگ ہو گیا۔

اس کے علاوہ خوارج میں مزید دو فرقے اور ہیں جو بالکل کافر ہیں:۔

۱۔ یزیدیہ:۔ یزید بن انیسہ خارجی کی جانب منسوب ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عجم میں ایک رسول اور مبعوث ہوگا جس کی رسالت شریعت محمدی کو منسوخ کر دے گی۔ نعوذ باللہ۔

۲۔ میمونیہ:۔ میمون عجردی کی جانب منسوب ہے یہ فرقہ محارم سے نکاح کا قائل ہے اور مجوس کی جانب مائل ہے کیونکہ مجوس ہی ایسے نکاحوں کے جواز کے قائل۔

---

[1] خوارج کے عقائد اور ان کے فرق کی تفصیل شیخ ابوزہرہ مصری کی کتاب تاریخ المذاہب الاسلامیہ اول ص۶۲ تا ص۸۷ نیز جلد ثانی ص۵۳ سے ماخوذ ہے۔ [2] شیخ ابوزہرہ مصری رح نے اباضیہ کے بارے میں یہی تصریح کی ہے لیکن عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں اس فرقہ کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا اس کے مطابق یہ بھی فرقہ یزیدیہ کا شریک و سہیم معلوم ہوتا ہے اور اس کی رو سے اس کے اہل سنت والجماعت سے قریب ہونے کا تو کیا سوال اس کے کفر میں کوئی شک نہیں رہتا۔ دیکھئے الملل والنحل جلد اول ص۱۷ تا ص۱۳۰

(ح) کوفہ کے مضافات میں ایک شہر حروراء نامی واقع ہے کیونکہ خوارج نے حضرت علی رض سے خروج و بغاوت کرتے ہوئے سب سے پہلے حروراء ہی میں قیام کیا تھا اور مستقل طور سے اس کو مسکن بنایا تھا تو اسی نسبت سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔

النصل: مولانا عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں حدیدۃ السھم والرمح والسیف مالم یکن لہ مقبض یعنی تیر نیزہ اور تلوار کا وہ لوہا جسے پکڑنے کیلئے الگ موٹھ نہ ہو یعنی لوہے کی نوک۔

رصاف: وہ پٹھا جو چھڑ میں تیر کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر لگایا جاتا ہے۔

رمیہ: تیر پھینکنے کا آلہ کمان اور ایسے شکار کو بھی کہا جاتا ہے جس میں تیر پار ہو گیا ہو۔

قِدح: بغیر نوک اور بغیر پر والا تیر۔

القذذ: قذہ کی جمع معنی تیر کا پر۔

سوال نمبر ۳۷:۔ باب فی ذکر الخوارج۔

عَنِ ابنِ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَنشَؤُ نَشءٌ یَقرَؤُنَ القُراٰنَ لَایُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُم کُلَّمَا خَرَجَ قَرنٌ قُطِعَ قَالَ ابنُ عُمَرَ رض سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ کُلَّمَا خَرَجَ قَرنٌ قُطِعَ اَکثَرَ مِن عِشرِینَ مَرَّۃً حَتّٰی یَخرُجَ فِی عِرَاضِھِمُ الدَّجَّالُ۔

(الف) اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کرنے کے بعد بتائیں کہ امام کی اطاعت سے خروج کا کیا حکم ہے؟

(ب) فرقہ خوارج کا تاریخ کی روشنی میں تعارف کرائیے۔

(ج) اکثر من عشرین مرۃ ابن عمر کا مقولہ ہے یا حضور ص کا اور دونوں صورتوں میں کیا فرق ہوگا؟

جواب سوال نمبر ۳۷:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخر زمانے میں) کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو قرآن (نہایت شاندار انداز میں) پڑھیں گے (اور حاملین قرآن ہونے کا دعوی کریں گے) لیکن (ریا اور بد باطنی کی وجہ سے) قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا (اور ان کی زندگیوں میں قرآنی تعلیمات کا حقیقتاً کوئی اثر نہ ہوگا) تو ایسے لوگ جب بھی ظاہر ہوں گے (منجانب اللہ) ان کو مٹا دیا جائے گا ـــــ ابن عمر رض کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (خود) یہ کہتے سنا کہ ایسے لوگ جب بھی نکلیں گے (ہر مرتبہ) ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا (اور ایسا) بیس مرتبہ سے زیادہ (ہوگا) یہاں تک کہ انہیں کی نسل سے مسیح دجال ظاہر ہوگا۔

امیر المسلمین اور امام وقت کی اتباع و اطاعت کی شریعت اسلامی میں بے حد تاکید کی گئی ہے اور اطاعت امیر نیز اتباع امام کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے تشبیہ دی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ اور امراء کی اطاعت کو خود اپنی اتباع و پیروی قرار دیا صحیح حدیث میں موجود ہے :-

"من یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی"[1]

لیکن "لاطاعۃ فی معصیۃ الخالق" کی رو سے ان کی پیروی کے مسلمان جب تک ہی مکلف رہیں گے جب تک کہ وہ دین کی پاسبانی کے ساتھ ساتھ اقامت صلوٰۃ اور نفاذ شریعت کا فریضہ انجام دیتے رہیں اور اعلاء کلمۃ اللہ نیز اسلام کی سربلندی کیلئے وہ برابر کوشاں رہتے ہوں۔ لیکن اگر بالفرض ان میں اقامت صلوٰۃ کے علاوہ دیگر خصوصیات معدوم و مفقود ہو جائیں اور فسق و فجور تک میں ملوث ہو جائیں تو ایسے حالات میں انھیں راہ راست پر لانے کی تو پوری کوشش کی جائیگی لیکن خروج یا بغاوت پھر بھی جائز نہ ہوگی اسی کو بیان کرتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

"واما الخروج علیھم (الائمۃ والامراء) وقتالھم فحرام باجماع المسلمین وان کانوا فسقہ ظالمین"[2]

چاہے امام فاجر و فاسق اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے گا اور اس سے بغاوت یا علیحدگی باتفاق فقہاء امت قطعاً حرام اور کبائر کے ارتکاب کے مرادف ہوگی۔

باغیوں کا شرعی حکم :-

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ امام کی اطاعت سے خروج کرنے والوں اور باغیوں کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

[1] بخاری و مسلم ۱۲ ، [2] مسلم شریف جلد ۲

"الباغی علی الامام ولو جائراً فاسق مرتکب الکبیرۃ ان کان بغیہ بلاتاویل او بتاویل قطعی البطلان"[1]

معتزلہ بھی امام سے بغاوت کرنے والوں کو فاسق اور مخلد فی النار مانتے ہیں اور خوارج انھیں قطعاً کافر قرار دیتے ہیں۔

یہ تو خوارج اور باغیوں کا اخروی حکم تھا اب ان کا دنیوی حکم کیا ہے قرآن کریم نے صراحت کر دی کہ "فقاتلوا التی تبغی" بغاوت کرنے والی جماعت سے قتال کیا جائے گا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اسی کے پیش نظر فرماتے ہیں :-

"یقاتل (الامام) مع الکفار والبغاۃ والخوارج وسائر اھل الفساد"[2]

اس سلسلے کی ساری تفصیل اور فیصلہ کن وضاحت حضرت علی رضؓ کے اسوہ میں ملتی ہے کیونکہ انھیں کی امامت و خلافت میں خوارج نے بغاوت کرتے ہوئے ان سے خروج کیا تھا امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ اس پوری تفصیل اور شرعی حکم کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں :-

"واذا تغلب قوم من المسلمین علیٰ بلد وخرجوا من طاعۃ الامام دعاھم الیٰ العود الیٰ الجماعۃ وکشف عن شبہتھم ولا یبدءُھم بالقتال حتی یبدءُوہ فان بدءُوا قاتلھم حتی یفارق جماعتھم"۔

دعاھم الی العود الی الجماعۃ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال سے پہلے ابن عباس رضؓ کو خوارج کی جانب بھیجا تا کہ انھیں سمجھا بجھا کر جماعت کی شمولیت کیلئے مجبور کریں نیز علی رضؓ خود بھی دو مرتبہ بنفس نفیس انھیں سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے۔

کشف عن شبہتھم

ان سے امام خروج کا سبب دریافت کرے علی رضؓ نے بھی ایسا ہی کیا اگر ظلم کی وجہ سے انھوں نے خروج کیا ہے تو ظلم کا ازالہ کرے اگر یہ وجہ نہ ہو بلکہ محض وہ اپنے علی الحق ہونے اور اپنی ولایت کا دعوی کرتے ہوئے خلافت غصب کرنے کے موڈ میں ہوں تو یہ باغی ہیں اب سلطان کو ان سے جنگ و جدال کرنا چاہیئے۔

[1] روح المعانی جز ۲۶ ص۱۵۱ [2] مسلم شریف جلد ۲ ص۱۴۳ قدوری ص باغیوں کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے فتح القدیر جلد رابع ص۴۱۶ باب البغاۃ شامی جلد ثالث ص۴۳۱ شرح وقایہ ثانی ص۳۳۲ تفسیر مظہری جلد نہم ص۴۹ روح المعانی جز ۲۶ ص۱۵۱ معارف القرآن جلد ہشتم ص۱۱۱ ۔

ولا یبدءھم بالقتال

یہ امام قدوری کی منفرد رائے ہے جب کہ امام خواہر زادہ نے لکھا ہے کہ جب وہ لشکر فراہم کریں تو ان کا قتال جائز ہے اور امام کو ان کی جانب سے جنگ کی ابتداء کا انتظار نہیں کرے گا۔

حتی یفارق جماعتھم

یعنی ان کی جمعیت کو منتشر کر دے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے فتنہ کا بالکلیہ انسداد کر دے۔

(ب) فرقہ خوارج کیلئے دیکھئے ص۱۳۵

(ج) مولانا عبد الغنی دہلوی فرماتے ہیں کہ "کلما خرج قرن قطع" کے بارے میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ یہ ابن عمر رضؓ کا قول ہے دوسرے یہ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث کا ٹکڑا ہے۔

اگر اس جملہ کو ابن عمر رضؓ کا قول قرار دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ انھوں نے یہ حدیث اور خوارج کے بارے میں یہ پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیسیوں مرتبہ سنی ہے۔

اور اگر اس جملہ کو حدیث باب ہی کا ایک ٹکڑا قرار دیا جائے تو اس صورت میں غالباً یہ معنی ہوں گے کہ اہل حق اس گمراہ جماعت سے ہر زمانے میں بیس مرتبہ سے زیادہ قتال کریں گے اور اسکی جڑوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے لیکن اس کے باوجود یہ فتنہ انگیز جماعت اتنی سخت جان اور یہ لوگ اتنے بے شرم ہوں گے کہ پھر بھی ہر زمانے میں موجود رہیں گے یہاں تک کہ انھیں کے درمیان سے دجال اٹھ کھڑا ہوگا اور پھر قیامت قائم کر دی جائے گی۔

تو معلوم یہ ہوا کہ نفس پرستوں اور خواہشات کے غلاموں سے اگر اہل حق ایک زمانے ہی میں بیس مرتبہ سے زیادہ قتال اور جنگ کریں تب بھی وہ خبیث اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔

قرائن اور سیاق و سباق کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا انتہائی مشکل امر ہے۔

سوال نمبر ۳۸:-

عن جریر بن عبد اللہ رضؓ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهٖ۔

(الف) حدیث باب پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجئے۔

(ب) رؤیت باری کے مسئلہ میں اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذاہب مدلل بیان کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۳۸:-

(الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن چاندنی رات میں) ہم حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور (ہم کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اسی طرح عنقریب تم اپنے پروردگار کا دیدار کرو گے اور رویت باری میں تمہیں ازدحام (کی مشقتوں) سے بھی دوچار ہونا نہ پڑے گا (اور بلا کسی حجاب و مشقت کے رب جلیل کا نظارہ کرو گے)۔

(ب) امت کے گمراہ فرقے معتزلہ خوارج جہمیہ اور بعض مرجیہ رؤیت باری تعالیٰ کا مطلقاً انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث نیز اجماع امت سے قطع نظر درج ذیل چند عقلی دلائل پر انحصار کرتے ہوئے انکار رؤیت پر اڑے ہوئے ہیں۔

۱- مرئی کا ایک مکان میں ہونا ضروری ہے۔

۲- دیکھنے کیلئے مرئی کا ایک جہت و سمت میں ہونا ضروری ہے۔

۳- مرئی کو رائی کے سامنے ہونا چاہیئے۔

۴- مرئی نہ اتنی زیادہ قریب ہو کہ قرب کی وجہ سے نظر نہ آسکے جیسے ناک وغیرہ اور نہ اتنی زیادہ دور ہو کہ بعد کی وجہ سے وہاں تک آنکھ کی رسائی نہ ہو سکے۔

۵- قوت باصرہ کی شعاعوں سے مرئی کا اتصال والتصاق ہونا لازمی ہے ظاہر ہے کہ درج بالا تمام اشراط سے خداوند قدوس منزہ و مبرا ہے اور یہ صفات اس کی ذات کے منافی ہیں۔

۶- ان عقلی دلائل کے علاوہ یہ لوگ قرآنی آیت "لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار" سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

ان کے عقلی دلائل کا جواب:

حقیقت یہ ہے کہ علامہ سعد الدین تفتازانی مصنف شرح عقائد نے ایک جملہ ہی میں ان حضرات کے پانچوں عقلی دلائل کا ایسا مسکت جواب دیدیا ہے کہ اب مزید تردید کی ضرورت نہیں رہتی وہ فرماتے ہیں[1] "قیاس الغائب علی الشاهد فاسد" پھر عمر نسفی اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں "فیری لا فی مکان ولا علی جهة من مقابلة واتصال شعاع او ثبوت مسافة بین الرائی وبین الله تعالیٰ"[2] اور جہاں تک "لا تدرکہ الابصار" سے استدلال کا تعلق ہے تو اس کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عدم رؤیت کی نہیں بلکہ اثبات رؤیت کی دلیل ہے اور معنی یہ ہیں کہ جب بندے رب جلیل

---

[1] شرح عقائد ص۵۹ [2] ایضاً ص۵۹

کا نظارہ و دیدار کریں گے تو اس کا ادراک و احاطہ نہ کر سکیں گے جب کہ خداوند قدوس کے وہ احاطہ میں ہوں گے[1]

اہل سنت والجماعت اور تمام امت کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ رؤیت باری دنیا میں ممکن اور آخرت میں یقینی ہے

جمہور امت کے دلائل درج ذیل ہیں:۔

۱۔ "رب ارنی انظر الیک[2]"
اگر رؤیت باری اس دنیا میں ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رؤیت کی کیوں خواہش کرتے نیز یہ امر بھی مسلم ہے کہ نبی ناممکنات کا مطالبہ نہیں کرتا تو اگر رویت کو ناممکن مانا جائے تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نعوذ باللہ جہل لازم آئے گا اور انبیاء جہل وغیرہ سے پاک و معصوم ہوا کرتے ہیں۔

۲ "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ[3]"
یہ آیت اہل جنت کیلئے دیدار باری کو صراحتاً ثابت کر رہی ہے۔

۳۔ "لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار[4]"
یہ آیت بھی اثبات رؤیت کی دلیل ہے تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

۴۔ "انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون[5]"
یہ آیت کافرین کیلئے رؤیت باری کا انکار کر رہی ہے مفہوم مخالف سے صاف ظاہر ہے کہ اس نعمت سے صرف مومنین ہی بہرہ ور ہوں گے اسی آیت کی بناء پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر قیامت میں مومنین کو رؤیت نہ ہوئی تو بذریعہ حجاب کفار کی توہین و تذلیل نہ ہو گی۔

۵۔ "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لا تضامون فی رؤیتہ[6]"
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق رؤیت باری کو تقریباً بیس کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس طرح یہ روایتیں متواتر ہیں[7]

[1] امداد الباری جلد دوم [2] سورۂ اعراف۔ [3] سورہ قیامہ [4] سورہ انعام [5] سورۂ مطففین ۱۲
[6] بخاری و مسلم" [7] مسلم اول ص ۹۹ ۱۲

۶ "عن صہیب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل اہل الجنۃ الجنۃ یقول اللہ تعالیٰ تریدون شیئاً ازیدکم فیقولون الم تبیض وجوھنا الم تدخلنا الجنۃ وتنجنا من النار قال فیرفع الحجاب فینظرون الی وجہ اللہ فما اعطوا شیئاً احب الیھم من النظر الی ربھم ثم تلا للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ[1]"

سوال ۳۹:۔ عن ابی رزین قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقہ قال کان فی عماء ما تحتہ ھواء وما فوقہ ھواء وماء ثم خلق عرشہ علی الماء۔

(الف) اعراب لگا کر اس طرح ترجمہ کیجئے کہ عماء بالمد اور عمی بالقصر دونوں معنی کی تشریح ہو جائے۔
(ب) ما تحتہ وما فوقہ میں ضمیر کا مرجع اور کلمہ ماء کا معطوف علیہ بتا کر حدیث کے ایسے معنی بیان کیجئے جو قواعد شرعیہ اور عقائد اہل حق کے مطابق ہوں۔
(ج) کلمہ "فی" سے ظرفیت و مکان ثابت ہوتا ہے آپ کلمہ "فی" کے معنی لکھیے۔
(د) حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے کیا مطابقت ہے؟

جواب سوال ۳۹:۔ (الف) اعراب کیلئے ص ۱۳۵ دیکھئے۔
حضرت ابو رزین بیان کرتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (یہ بتلائیے کہ) مخلوق کی تخلیق سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ (عماء بالمد) رقیق بادل میں تھا اور (عمی بالقصر) اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اس کے نیچے اور اوپر ہوا تھی اور پانی تھا پھر (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ نے پانی پر عرش کو پیدا کیا۔

(ب) علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی ناصر الدین ابن المنیر نے کہا "ما تحتہ وما فوقہ" کی ضمائر کا مرجع سحاب (عماء) ہے اور ماء کا معطوف علیہ ھواء ہے۔
مکان رب کے متعلق سوال کرنا فاسد ہے اور قطعاً درست نہیں لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ ابو رزین جیسے جلیل القدر صحابی اس قسم کے سوال کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب بھی دیدیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا این اللہ تو حضرت علی رضؓ نے جواب دیا کہ جس ذات نے این کو اینیت بخشی وہ این کی اینیت سے وراء الوراء ہے اور اس کے متعلق ایسا

[1] مسلم، رؤیت باری کی تفصیل کیلئے دیکھئے علامہ ابن قیم کی کتاب "حادی الارواح الی بلاد الافرح" نیز اردو میں سیر حاصل بحث کے لئے دیکھئے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کی عجیب و غریب کتاب "تقریر دلپذیر"

سوال درست نہیں پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اینیت مخلوق ہے اور جو ذات اس کی خالق ہے وہ اس کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھی پھر اب اینیت کو اس ذات کا مکان بنانا کیوں کر درست ہوگا اسلئے حقیقت یہ ہے کہ حدیث باب میں مکان کے متعلق سوال نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی شان کی وضاحت مطلوب ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے وہ کس شان میں تھا۔ لفظ این کے اسی اشکال کو رفع کرتے ہوئے حضرت فخر المحدثین مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

> لفظ این کے ذریعہ کبھی تو مکان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور کبھی محض شان وکیفیت کی وضاحت مطلوب ہوتی ہے۔ حدیث باب میں این کی مراد یہ ہے کہ عالم کی تکوین اور اس کی ایجاد سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کیا شان اور اس کی کیا کیفیت تھی تو جواب دیا گیا کان فی عماء یعنی فی شان خفی لایدرک بالابصار ولا بالبصائر" کہ وہ ایسی شان خفی میں تھا کہ بصارت وبصیرت اس کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔ باری تعالیٰ پر عماء کا اطلاق کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ خداوند قدوس کی وہ شان استتار واحتجاب اور اخفاء کے اس مقام پر ہے جہاں عقل وفہم کا گذر تک نہیں اور اس کے بارے میں غور وفکر کرنا اور عقلی پرواز کرنا ایسا ہی ہے (بقول ابن خلدون) جیسے ترازو سے پہاڑ کو تولنے کی کوشش کی جائے کیونکہ عماء ایسا معاملہ ہے کہ "لایدرکہ عقول بنی آدم و یبلغ کنہہ الوصف والفطن" اور اسی لئے امام ابو عبیدہ نے کہا کہ "لا ندری کیف کان ذلک العماء" کوئی عالم نہیں جانتا کہ یہ عماء کیسا تھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی شان کی وضاحت کرتے ہوئے احمد بن منیع کے طریق سے یزید ابن ہارون کا یہ قول نقل کرتے ہیں "العماء معناہ لیس معہ شیء یعنی ان العماء کنایۃ عن انہ لم یکن معہ"[1]

---

[1] عماء کی یہ ساری تفصیل روح المعانی جلد سوم ص۵۱۳ تا ص۵۱۵ اور مولانا ادریس کاندھلوی کی تحفۃ القاری مشکلات بخاری جلد ۲ ص۸۵-۸۶ سے ماخوذ ہے۔

> امام قاضی بھی یہی فرماتے ہیں کہ عماء سے ایسی کیفیت شان مراد ہے جو نہ خیال میں آسکتی ہے اور نہ عقل وفہم ہی اس کا ادراک کر سکتی ہے اور یہ عدم مکان کی ایسی تعبیر ہے جس کی کیفیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔"

اس لئے صحیح یہی ہے کہ حدیث باب میں مکان مراد نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی شان کے متعلق سوال کیا گیا ہے لیکن اگر بالفرض این سے مکان مراد لے لیا جائے تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے کہ سائل نے مکان کا سوال کیا اور اس کو لامکاں ہونے کا جواب دیا گیا۔

(ج) قاضی ناصر الدین بن المنیر فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں کلمہ "فی" "علی" کے معنی میں وارد ہوا ہے اور "علی" استیلاء کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ خداوند قدوس اس سحاب پر مستولی تھا جس سے اس نے اپنی تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔

(د) اس روایت سے باری تعالیٰ کیلئے صفت تخلیق ثابت ہوتی ہے جہمیہ کیوں کہ دیگر تمام صفات کے ساتھ ساتھ صفت تخلیق کے منکر اور تحیز بالمکان کے قائل ہیں اسلئے اس حدیث سے ان کی تردید ہوگی تو "ثم خلق عرشہ" اور "وکان فی عماء" ہی ترجمۃ الباب ہے۔

سوال نمبر ۴۰:۔ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب ربکم علی نفسہ بیدہ قبل ان یخلق الخلق رحمتی سبقت غضبی۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ کان یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبض اللہ الارض یوم القیامۃ ویطوی السماء بیمینہ ثم یقول انا الملک این ملوک الارض

(الف) اعراب لگائیے اور معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) فرقہ جہمیہ کا مختصر تعارف کرائیے اور اہل سنت والجماعت اور جہمیہ کے درمیان جن اصولی مابہ الامتیاز باتوں میں اختلاف ہے ان کو تحریر کریں۔

(ج) مصنف نے یہ دونوں حدیثیں "باب فیما انکرت الجھمیۃ" کے تحت ذکر کی ہے آپ بتائیں کہ ان حدیثوں سے جہمیہ کی تردید کس طرح ہو رہی ہے؟

جواب سوال نمبر ۴۰:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیثیں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہی تمہارے رب نے اپنے ہاتھ سے اپنے بارے میں لکھ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔

حضرت کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو

سمیٹیں گے اور اپنے دائیں ہاتھ سے آسمان کو لپیٹ دیں گے پھر فرمائیں گے (آج) میں بادشاہ ہوں (کدھر گئے شاہزادے اور) کہاں ہیں زمین کے (نام نہاد) بادشاہ (جو ہمارا کھاتے تھے اور ہمارے غیروں کی عبادت کرتے تھے)۔

(ب) جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ومبانی ہے یہ گمراہ شخص اصلاً کوفی النسل ہے بنوامیہ کی خلافت کے دور میں یہ نہر جیحون کے کنارے واقع شہر ترمذ سے ظاہر ہوا اور یہ حقیقتاً یہودی تھا۔

صحیح ابن خزیمہ نے ابن قدامہ کے طریق سے ابو معاذ بلخی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہم نہایت فصیح وبلیغ تھا لیکن علم سے بے بہرہ جاہل ہونے کے ساتھ اہل علم کی مجلسوں سے بھی وہ قطعاً ناآشنا تھا اور صرف معرفت قلب کو عین ایمان قرار دیتا تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے بارے میں جہم بن صفوان نے تشبیہ کی نفی میں اتنی شدت برتی کہ وہ تعطیل وتجمید کی دلدل میں جا گھسا۔

بنوامیہ کے خلافت کے آخری دور تقریباً ایک سو تیس ۱۳۰ ہجری میں مسلم بن احوز مازنی نے خراسان کے مشہور شہر مرو میں جہم بن صفوان کو قتل کر دیا اس طرح امت کو ایک فتنہ سے نجات ملی۔

اسی کی جانب منسوب فرقہ کو فرقہ جہمیہ کہا جاتا ہے لیکن جہمی خود اپنے آپ کو صوفیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

جہمیہ کے مابہ الامتیاز چند اصولی عقائد:

۱- ایمان صرف معرفت قلب کا نام ہے اگر وہ حاصل ہے تو انکار لسان کے باوجود بندہ کامل الایمان ہے۔

۲- ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور افعال سیئہ سے بھی ایمان متاثر نہیں ہوتا۔

۳- اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے کسی چیز کے وجود اور اس کی خلقت سے پہلے اللہ کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

۴- تمام افعال کا اللہ ہی خالق ہے۔

۵- بندہ مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں۔

۶- کلام اللہ حادث اور مخلوق ہے۔

۷- اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں۔

۸- رؤیت باری تعالیٰ محال اور قطعاً ناممکن ہے۔

۹- انبیاء اور انکے امتیوں کا ایمان یکساں اور ایک درجہ کا ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں۔

۱۰- جنت اور جہنم کو ان کے مستحقین کے داخل ہونے کے بعد فنا کر دیا جائے گا قرآن وحدیث میں خالدین وغیرہ جیسے الفاظ کثرت کے معنی میں وارد ہوئے ہیں۔

۱۱- اللہ کو کسی ایسی صفت کیساتھ متصف کرنا جائز نہیں جو بندوں میں پائی جاتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہمیہ نے اللہ کے حی اور عالم ہونے کا انکار کر دیا کیوں کہ یہ بندوں کے بھی اوصاف ہیں اور اللہ کو صرف فاعل خالق وقادر قرار دیا کیوں کہ یہ بندوں کے اوصاف نہیں۔

۱۲- جہمیہ اللہ کی تمام صفات کا صراحتاً انکار کرتے ہیں۔

۱۳- معتزلہ کی طرح یہ بھی ہر اس غیبی خارق عادت ثابت شدہ امر کا انکار کرتے ہیں جو انکی عقلوں سے باہر ہو۔[1]

۱۴- باری تعالیٰ کیلئے تحیز بالمکان کے قائل ہیں۔

(ج) امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ دونوں حدیثیں "باب فیما انکرت الجهمية" کے تحت اسلئے ذکر کی ہیں کہ مقدم الذکر حدیث میں باری تعالیٰ کیلئے صفت کتابت بالید نیز صفت رحمت و غضب ثابت ہوتی ہے جب کہ دوسری حدیث میں صفت قبض اور صفت طی کی صراحت ہے ظاہر ہے کہ جہمیہ تمام صفات کیساتھ کتابت رحمت صفت طی اور قبض کا بھی صراحتاً انکار کرتے ہیں اسی لئے امام نے یہ دونوں حدیثیں لاکر صفات کا اثبات اور جہمیہ کی کھلی تردید کر دی تو اول حدیث میں "کتب بیدہ" اور "رحمتی وغضبی" نیز دوسری حدیث میں "یقبض ویطوی" جیسے الفاظ ہی ترجمۃ الباب ہیں۔[2]

اس روایت سے تحیز بالمکان کی صراحتاً نفی ہو رہی ہے اسی لئے حضرت امام ابن ماجہ نے باب فی ما انکرت الجهمية" کے تحت خصوصاً یہ روایت ذکر کی ہے۔

سوال ۴ :- عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجئے۔

(ب) قرآن کے اعجازی پہلو پر مختصر روشنی ڈالئے۔

---

[1] جہمیہ کی یہ ساری تفصیل الفرق بین الفرق لعبد القاہر البغدادی، عبد الکریم شہرستانی کی الملل والنحل اور دیگر امہات الکتب سے ماخوذ ہے

[2] انجاح الحاجہ لمولانا عبد الغنی المجددی دہلوی۔

جواب سوال ۱۴۱ :۔ (الف) اعراب کیلئے ۱۳۹ کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ پیغمبر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے اسکی مثال ترنج کی سی ہے اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ۔ اور جو مومن قرآن شریف نہ پڑھے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا۔ اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظل کے پھل کی سی ہے کہ مزا کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں۔[1]

(ب) "چودہ سو برس گذر جانے کے باوجود بھی قرآن کریم کا مثل لانے کا چیلنج آج تک قائم ہے قرون اولیٰ سے لیکر آج تک فصاحت و بلاغت، لغت و ادب اور اسلوب و نگارش کی دنیا میں کوئی اتنا بڑا سورما پیدا نہ ہو سکا جو قرآن کا مثل لانے کا تصور یا اس کے مقابلہ کی ہمت ہی کر پاتا۔

یہی وجہ ہے کہ دنیائے انسانی نے بڑے بڑے شعلہ بیان مقرر و مصنف۔ ادیب و خطیب اور فصاحت و بلاغت کے اماموں نیز منفرد انداز و اسلوب کے بانیوں کو جنم دیا جنھوں نے اپنی فطری ذہانت و ذکاوت، لیاقت و صلاحیت انداز جولانی اور زور زبانی نیز جدت اسلوب، طرز و نگارش اور انفرادیت کی دنیا پر دھاک بٹھادی اور ان کے عزائم و حوصلوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان کے اچھوتے اور ممتاز اسلوب و قلم کی چنگاریاں قدیم و جدید ادبی ذخیرہ پر برق بن کر گریں گی اور آن کی آن میں اسے جلا کر خاکستر کر دیں گی اور شاید اب دنیا کا کوئی ادبی عجوبہ اپنی انفرادیت و چیلنج کو باقی نہ رکھ سکے گا لیکن اسی نشہ میں مدہوش اور اسی غرور میں مخمور ہو کر جب یہی لوگ قرآن کے مقابلہ پر آئے تو اس کے ادبی حملوں کی تاب نہ لا سکے قرآن کے ادبی معیار اس کے انداز بیان اور اس کی تسخیر کر لینے والی قوت سے ایسے مبہوت ہوئے کہ ان کا نگاہیں جھک گئیں زبانیں گنگ ہو گئیں قلم جواب دے گیا ادبیت کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا فصاحت و بلاغت کا نشہ جاتا رہا ان کی صلاحیت و لیاقت اور بلند عزائم نے بالآخر قرآن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

[1] حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کا کیا ہوا ہے دیکھئے فضائل قرآن صد ۱۔

قرآن کا ایک ایک حرف و کلمہ نگینہ کی طرح ایسا جڑا ہوا اور آپس میں ایسا ربط قائم کئے ہوئے جو بذات خود ایک اعجاز و چیلنج ہے۔

اس کی عبارت کا تحیر آمیز تسلسل و تنزل اس کا کے مضامین کی روانی و دوانی اس کے وعظ و نصیحت کی دل سوزی اس کے انداز بیان کی جولانی اور جوش ایمانی اس کے لاثانی نظائر و عبرتیں اس کے لافانی حقائق و معانی اس کا انذار و تبشیر کا دل دہلا دینے والا اسلوب۔ یہ سب اس کی وہ امتیازی اور انفرادی خوبیاں ہیں جنھیں دیکھ کر عمر بن خطاب جیسا مضبوط انسان بھی اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور نقد دل ہار بیٹھا اور یہ اسی کا تو کرشمہ تھا کہ جب عتبہ اپنے موقف و نقطہ نظر کو فصیح و بلیغ پیرائے میں پیش کر کے کفار مکہ کی وکالت کر چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر چند آیات بے ساختہ جاری ہو گئیں ان آیات کا جاری ہونا تھا کہ کائنات منجمد ہونے لگی سمندروں کا جوش تھم گیا دریاؤں کی طغیانی خاموشی میں بدل گئی پہاڑ بھی لرزنے لگے ماحول پر ایک پر سرور کیفیت طاری ہونے کیساتھ ساتھ چرند و پرند شجر و حجر سبھی پر بیک وقت رقت طاری ہو گئی اور عتبہ کے خون میں بھی ایک بال سا آگیا وہ اس عجیب و غریب کلام کی تاب نہ لا سکا اور بلک اٹھا۔

> "محمد بس بھی کرو ایسے کلمات زبان سے نہ نکالو کہیں
> تمہاری قوم پر عذاب نہ آجائے"

اور یہی تو اس کی تاثیر و دلکشی اور رقت و جاذبیت میں ڈوبا ہوا لہجہ تھا جسے سن کر حبشہ کا بارعب اور دبدبہ والا بادشاہ بھرے دربار میں رو پڑا اس کا دل دہل گیا دماغ جھنجھنا اٹھا بدن تھرا گیا ایمان کی مہک اور جعفر رضؓ کی لہک سے ایسا مدہوش ہوا کہ آن کی آن میں اس کے دل کی دنیا بدل گئی وہ عیسائیت کے غیر فطری بوجھ کو مزید برداشت نہ کر سکا اور سر عام یہ اعلان کر کے اس نے عیسائیت کی دھجیاں اڑا دیں۔

> "خدا کی قسم حضرت عیسیٰ المسیح کی حیثیت قرآن کی
> بتائی ہوئی حقیقت سے تنکہ بھر بھی زیادہ نہ تھی"

قرآن ہی تاریخ انسانی کی وہ واحد کتاب ہے جو زمانہ دراز سے آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ چلی آ رہی ہے اور چودہ صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی اختلاط و التباس کی آندھیاں معاندین و مخالفین کی سرگرمیاں و ریشہ دوانیاں نیز دشمنان اسلام کا منحرفانہ ذہن اس کے کسی حرف و کلمے کسی معنی و مفہوم کسی مضمون و ترکیب آیات اور زیر و زبر کو کوئی گزند نہ پہونچا سکا اور وہ اپنے حروف و الفاظ، عبارات و اشارات، اسرار و رموز نیز تجوید و ترتیل کے قواعد اور علوم نبوی و ماخذ تفسیر کے رواں دواں قافلوں کو لیکر

علمی دنیا کی امامت کرتا ہوا فصاحت و بلاغت کا مینھ برساتا محرفین کے خوابوں کی دھجیاں اڑاتا ہوا اس پندرہویں صدی تک بے خوف و خطر بڑھتا چلا آیا۔ اور آج بھی ڈنکے کی چوٹ یہ دعویٰ کر رہا ہے:۔

فاتوا بسورۃ من مثلہ[1]

اب ذیل میں ہم چند دلائل سپرد قلم کر رہے ہیں آپ ان دلائل کی مدد سے درج بالا مضمون کو مزید پھیلائیے۔

بعشر سور مثلہ مفتریٰت وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین

۲۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

۳۔ لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ۔

۴۔ افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا

۵۔ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا

۶۔ عن عمر بن الخطابؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین (مسلم)

۷۔ عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل شیء شرفا یتباھون بہ وان بھاء امتی وشرفھا القرآن (رواہ الحلیہ)۔

۸۔ عن علیؓ سمعت یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ (ترمذی۔ دارمی)۔

ج) اُترجّہ: لیموں کا درخت۔

ریحانہ: نازبو ایک نہایت خوشبودار پودا۔

حنظلۃ: پھر پھینڈوا اندرائن کا پھل جو نہایت کڑوا ہوتا ہے۔

مقصد حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مقصود اس حدیث سے غیر محسوس شئی کو محسوس شئی کیساتھ تشبیہ دینا ہے تاکہ ذہن میں فرق کلام پاک کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سہولت سے آجاوے ورنہ ظاہر ہے کہ کلام پاک کی حلاوت

[1] درج بالا مضمون راقم سطور کے ایک مستقل مضمون "قرآن کریم کے چیلنج" سے ماخوذ ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ماہنامہ دار العلوم ماہ رجب ۱۴۲۱ھ

و مہک سے کیا نسبت ترنج و کھجور کو۔ اگرچہ ان اشیاء کیساتھ تشبیہ میں خاص نکات بھی ہیں جو علوم نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وسعت کی طرف مشیر ہیں، مثلاً ترنج ہی کو لیجئے یہ منافع ایسے ہیں کہ قرأت قرآن کریم کیساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں مثلاً منھ کا خوشبودار ہونا باطن کا صاف ہونا روحانیت میں قوت پیدا کرنا یہ منافع تلاوت میں ہیں جو پہلے منافع کے ساتھ بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں ایک خاص اثر ترنج میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس گھر میں ترنج ہو وہاں جن نہیں جا سکتا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر کلام پاک کے ساتھ خاص مشابہت ہے"

سوال ۴۲:۔

عن معاویۃ بن ابی سفیان یُحَدِّثُ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَلخَیرُ عَادَۃٌ وَالشَّرُّ لَجَاجَۃٌ وَمَن یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیرًا یُفَقِّھہُ فِی الدِّینِ۔

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجئے۔

(ب) ومن یرد اللہ الخ کا ماقبل سے ربط بیان کرتے ہوئے حدیث کی تشریح کیجئے۔

(ج) ابن ماجہ نے یہ حدیث باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم کے تحت ذکر کی ہے آپ باب کی حدیث سے مناسبت ظاہر کیجئے۔

جواب سوال ۴۲:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خیر عادت ہے، اور شر جھگڑا و فساد (و غیر عادت) ہے اور اللہ تعالیٰ جس کیساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے (اور تفقہ فی الدین سے نوازتا ہے)۔

(ب) من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین کا ماقبل سے یہ ربط ہے کہ خداوند قدوس جس بندے کیساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اسے الشر لجاجۃ جھگڑا و فساد سے بچا کر تزکیہ باطن کی توفیق دیتے ہیں اور الخیر عادۃ فطرت و جبلت پر جما کر دینی فراست تفقہ اور نور معرفت سے نوازتے ہیں۔

الخیر عادۃ

نوع انسانی کے وجود کی ابتداء "قالوا بلیٰ" کے اقرار وعدہ اطاعت اور معرفت رب کے ذریعہ کرائی گئی کیونکہ انسان کی فطرت و عادت خیر و نیکی اور رشد و ہدایت ہے اور اس کی جبلت میں ابتدائے آفرینش ہی سے وہ صلاحیت و لیاقت اور پاکیزگی رکھی گئی کہ جب بھی کفر و شرک کا دباؤ ذرا ہلکا ہو کافر کی فطرت و جبلت بھی بول اٹھتی ہے اور برابر اس کے ضمیر و طبیعت کو کچوکے لگا کر اظہار حق اور ابطال باطل کیلئے ابھارتی رہتی ہے لیکن معاشرہ کا دباؤ

خاندانی روایتیں وبندشیں اور اپنے ذاتی مفاد قبول فطرت سے باز رکھتے ہیں اور اس کے پاؤں کی بیڑی بن جاتے ہیں۔

الخیر عادۃ ہی کی تشریح کرتے ہوئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من مولود الا وقد یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کہ ہر انسان فطری طور پر مسلم ومومن ہے لیکن اس کا ماحول ورسم ورواج اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں اگر وہ ہر قسم کے ماحول اور تہذیب وتمدن سے دور رہے تو یقیناً اسلام کو قبول کرے گا اور رشد وہدایت کی جانب بڑھتا چلا آئے گا کیوں کہ خیر اس کی عادت وفطرت ہے۔

الشر لجاجۃ:

اشر نوع انسانی کیلئے غیر فطری اور بالکل طبعی چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کفر وشرک زیغ وضلال کا جبلی طور پر انسانی فطرت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب انسان گناہ ومعصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اندرونی طور پر اس کی طبیعت میں ایک قسم کا تنفر اور انقباض واضطرار پیدا ہوتا ہے جو اسے اس فعل شنیع سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اس کے برخلاف اعمال صالحہ اور افعال حسنہ میں عجیب قسم کا سکون اور طبیعت کو فرحت وطمانیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہی عین فطرت ہے۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔

انسانی زندگی کے یہ دو ہی پہلو ہیں خیر یا شر۔ اللہ تعالی جس بندے کیساتھ اچھا سلوک ومعاملہ کرنا چاہتا ہے اس کو شر سے متنفر کرکے خیر کی جانب راغب کردیتا ہے اور تفقہ سے نوازتا ہے۔

تفقہ فی الدین اللہ کا عظیم انعام قرآن وحدیث کے فہم کی روح علم وعمل کی طاقت اور شریعت اسلامی کا مزاج شناس ہونے کیساتھ ساتھ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور اس دولت عظمی ونعمت مترقبہ سے صرف انھیں بندوں کو سرفراز کیا جاتا ہے جو اپنے غیر معمولی ایمان وعمل مثالی اخلاق وخلوص اور فطرت سعادت کی بناء پر بارگاہ ایزدی میں مقبول ومانوس ہوچکے ہوں اور ملاء اعلی سے انھیں ایمان ویقین کا درخشاں ستارہ رشد وہدایت کا پیکر اور وقت کا امام بنانے کا فیصلہ کیا جاچکا ہو۔

"حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کیلئے جہاں بیرونی روشنی کی شدید ضرورت ہے وہیں اندرونی روشنی (تفقہ، الہام ربانی) بھی اس کی اہم ترین ضروریات میں شامل ہے۔ انسانی عقل اگر بینائی ہے تو وحی الہی روشنی۔ اور دونوں ہی رشد وہدایت اصلاح ودعوت اور

انسانی زندگی کے لازم وملزوم اجزاء ہیں اور جب عالم قرآن وحدیث کے ظاہری علم کیساتھ ساتھ باطنی علم (تفقہ) اور نور معرفت سے بہرہ یاب ہوگا تو وہ ماخذ شریعت اور اسلامی نصوص کے بحر زخار میں غواصی کرکے تفقہ کے انمول موتیوں اور قیمتی جواہر ریزوں نیز جدید اکتشافات سے امت مرحومہ کی جھولیاں بھر دے گا"۔[1]

قرآن کریم خود بندوں کو تفقہ فی الدین کے حصول پر ابھار رہا ہے فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین اور حدیث میں بھی ایک جگہ تفقہ فی الدین کی اہمیت اس طرح اجاگر کی گئی خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا[2] یہاں افضل ہونے کا معیار وشرط تفقہ فی الدین ہی قرار دیا گیا کیونکہ جیسے جیسے حالات بدلتے زمانہ میں تغیر واقع ہوتا ہے فقہاء انہیں تقاضوں اور ضروریات کے پیش نظر اصول شریعت سے مسائل کا استنباط کرتے رہتے ہیں جو اسلام کی تبلیغ کا ایک اہم شعبہ ہے اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندے کو دعا دی جو آپ کے اقوال واحادیث کو فقیہ وافقہ تک پہونچا دیتا ہے فرمایا "نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الی من لم یسمعھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ" یعنی فقہ کا اتنا اونچا مقام ہے کہ وہ ایک ہی حدیث سے استنباط مسائل اور استخراج احکام کے ان گنت موتی بکھیر دے گا اور اس خدمت عظیمہ کیلئے وہی لوگ منتخب کئے جاتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالی خیر کا ارادہ کرچکا ہو اور جن کو شر سے بچا کر خیر کی توفیق بھی دے چکا ہو۔

(ح) حضرت امام ابن ماجہ نے یہ حدیث باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم کے تحت ذکر کی ہے ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر کرتے ہوئے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:[3]

"وفی ذلک بیان ظاہر لفضل العلماء علی سائر الناس ولفضل التفقہ فی الدین علی سائر العلوم"

[1] یہ پیرا مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ کے ایک اقتباس سے مستفاد ہے۔

[2] بخاری جلد اول ص۴۹۵ مسلم جلد دوم ص۳۰۷۔

[3] فتح الباری جلد اول ص۱۳۳ مطبوعہ مصر۔۱۲

یعنی جو علماء ہیں اور تفقہ فی الدین سے متصف ہیں اللہ یقیناً ان سے راضی ہے اور اللہ نے ان کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمایا ہے اس لئے یہ لوگ افضل الناس ہیں اور تمام لوگوں کو ان کی تقلید کرتے ہوئے اس علم کو حاصل کرنا چاہیئے جو نہ صرف قرب الٰہی کا ذریعہ ہے بلکہ تمام شرور و فتن سے حفاظت و سلامتی کیساتھ ساتھ اللہ کی خیر کی بھی ضمانت لئے ہوئے ہے۔

سوال ۴۳:۔ عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طَلَبُ العِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ العِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الخَنَازِيرِ الجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ۔

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجئے۔

(ب) حدیث باب میں مطلق علم کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا اس سے کوئی خاص علم مراد ہے؟ وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۴۳:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور علم کو اس کے غیر اہل کے پاس رکھنے والا (یعنی نالائق کو تعلیم دینے والا) ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ خنزیروں کے زر و جواہر اور موتیوں کا ہار ڈال رہا ہے (جس طرح جواہر موتی اور سونے سے نہ صرف یہ کہ خنزیر کی ماہیت نہیں بدلتی بلکہ ان قیمتی اشیاء کی توہین و رسوائی ہوتی ہے اسی طرح بھی دنیا دار اور مفاد پرست انسان کے سامنے علم حدیث بیان کرنا اسے تعلیم دینا علم کی توہین اور اس کیساتھ گھناونا مذاق ہے)۔

(ب) حدیث باب میں وارد ہوئے علم سے مطلق علم نہیں بلکہ ایک خاص علم مراد ہے جس کی تعیین میں کافی اختلاف ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس پر کلام کرتے ہوئے درج ذیل اقوال کا ذکر فرماتے ہیں:۔

۱۔ علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اس سے علم اخلاص مراد ہے اور ان تمام اشیاء کی معرفت ضروری ہے جو اعمال کو باطل کر دیتی ہیں۔

۲۔ علماء کی دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس سے وہ علم معرفت مراد ہے جو قلب پر وارد ہونے والے خیالات میں یہ تمیز کر سکے کہ یہ الہام ربانی ہے یا لمہ شیطانی۔

۳۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں حرام و حلال کا علم مراد ہے کیونکہ اکل حلال اختیار کرنا اور حرام سے اجتناب ضروری ہے۔

۴۔ جب کہ کچھ حضرات کا رجحان یہ ہے کہ حدیث باب میں بائع مشتری اور ناکح کیلئے علم بیع و شراء

اور نکاح کے مسائل جاننا مراد ہے۔

۵۔ پانچواں قول یہ ہے کہ "بنی الاسلام علی خمس" کے تحت توحید نماز روزہ زکوٰۃ اور حج بیت اللہ مراد ہے جب کہ کچھ لوگ یہاں صرف علم توحید مراد لیتے ہیں۔

۶۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حدیث باب میں علم باطن کی طلب اور اس کی فرضیت مراد ہے اور یہ علم باطن زہاد و صالحین علماء ربانیین ہی کی صحبت سے آتا ہے کیونکہ یہی لوگ انبیاء کے وارث ہیں۔

ان اقوال کے برخلاف علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پر اعولی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علوم شرعیہ کی حقیقتاً دو قسمیں ہیں:۔

(۱) علم اصول (۲) علم فروع۔

۱۔ علم اصول یہ ہے کہ توحید و صفات باری کی معرفت اور انبیاء و رسل کی تصدیق تو طلب العلم فریضۃ کے تحت ہر مکلف کو ان امور کا جاننا ضروری ہے۔

۲۔ علم فروع فقہ اور احکام دین کی معرفت کو کہتے ہیں اور یہ دو قسموں پر منقسم ہے:۔

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔

۱۔ طہارت و نجاست اور نماز روزوں کے مسائل اور روزمرہ کی دینی ضروریات کی معلومات فرض عین ہے اور طلب العلم فریضۃ کی رو سے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

۲۔ فرض کفایہ اس علم کو کہیں گے جو انسان کو درجہ اجتہاد اور افتاء کے منصب پر فائز کر دے اگر کوئی ایک بھی اس علم کو حاصل کر لے تو پورے شہر سے فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ سب گناہگار ہوں گے۔

تو علامہ بغوی کے قول کا حاصل یہ نکلا کہ معرفت صانع توحید باری تعالیٰ انبیاء و رسل کی تصدیق طہارت و نجاست اور صوم و صلوٰۃ کے مسائل کی معلومات حدیث باب میں مراد ہیں قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ اور حج کے مسائل جاننا بھی فرض عین ہوگا نیز ہر وہ علم حدیث باب کے زمرہ میں آئے گا جس کی مسائل کو اشد ضرورت ہو۔

درج بالا تمام اقوال میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی زیادہ صحیح اور راجح ہے اور دلائل کی روشنی میں یہی قوی ترین مسلک ہے[۱]۔

[۱] شرح السنۃ جلد اول ص۲۹ مطبوعہ سعودی عرب، مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد اول ص۲۳۳ التعلیق الصبیح جلد اول ص۱۳۵۔

سوال ۴۴: "باب من كره أن يوطأ عقباه" عن أبي أمامة قال مر النبي صلى الله عليه وسلم في يوم شديد الحر نحو بقيع الغرقد وكان الناس يمشون خلفه فلما سمع صوت النعال وقر ذلك في نفسه فجلس حتى قدمهم أمامه لئلا يقع في نفسه شيء من الكبر۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کرنے کے بعد تشریح کیجئے۔

(ب) ترجمۃ الباب سے مطابقت بیان کیجئے۔

(ج) پھر اس روایت سے کسی مسئلہ کا استنباط کیجئے۔

جواب سوال ۴۴: (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

"اپنے پیچھے چلنے کو ناپسند کرنے والے کا بیان"

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) شدید گرمی کے دن بقیع غرقد (اہل مدینہ کے قبرستان) کے قریب سے گذرے اور لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے آپ کو یہ بات ناگوار گذری تو آپ (ان کے انتظار میں) بیٹھ گئے (اور اس وقت تک بیٹھے رہے) یہاں تک کہ تمام صحابہ آپ کے آگے اور سامنے ہو گئے (یہ کام آپ نے اسلئے کیا) تاکہ کبر کا ادنیٰ شائبہ بھی قلب میں پیدا نہ ہو۔

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث "باب من كره أن يوطأ عقباه" کے تحت ذکر کی ہے مطابقت ظاہر ہے کہ آپ نے صحابہ کا اپنے پیچھے چلنا ناپسند کیا نیز دوسری حدیث میں یہ صراحت کہ یہ آپ کا معمول تھا کہ صحابہ آپ کے آگے آگے چلتے اور آپ کی پشت کو فرشتوں کے چلنے کیلئے چھوڑ دیتے اور ابن عمرو کی تصریح کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کبھی دو آدمیوں کو چلتے ہوئے نہ دیکھا گیا تو حدیث باب میں وارد لفظ وقر ذلك في نفسه ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(ج) روایت بالا سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ اگر پیچھے چلنے کی وجہ سے کسی کو غرور وتکبر میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے اس عمل سے پرہیز کرنا چاہئے اور اپنے متبوعین ومعتقدین کو پیچھے چلنے سے صراحتاً روک دینا چاہئے۔

سوال ۴۵: عن ابن عمر رضـ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من طلب العلم ليماري به السفهاء أو ليباهي به العلماء أو ليصرف وجوه الناس إليه فهو في النار۔

(الف) اعراب وترجمہ کے بعد حدیث کی تشریح کیجئے۔

(ب) ترجمۃ الباب "الانتفاع بالعلم والعمل به" سے حدیث کا کیا تعلق ہے؟

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کیجئے۔

جواب سوال ۴۵: (الف) اعراب کیلئے سوال ۴۵ کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابن عمر رضـ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جہلاء سے جھگڑنے علماء پر رعب جمانے اور لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کیلئے علم حاصل کیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

تشریح:

یعنی علم جیسی عظیم شئی کو اس نے علمنی ما ینفعنی کا مصداق بنانے کے بجائے دنیاوی منفعت حقیر مفاد اور ذاتی اغراض کیلئے حاصل کیا اور اس کو اپنی عزت وشہرت رعب ودبدبہ اور شان وشوکت کا ذریعہ بنایا تو ایسے مفاد پرست دنیادار اور خودغرض انسان کیلئے جہنم ہی مناسب ٹھکانہ ہے کیوں کہ اس نے نہ صرف علم سے بذات خود کوئی اخروی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ایک خالص دینی اخروی اور عظیم علم کو دنیاوی مفاد کیلئے استعمال کرکے جہاں علم کی توہین کی وہیں اس گھناؤنے فعل سے شر وفتن کے بیج بو دیئے اور اللہ کی رضا کو پس پشت ڈالتے ہوئے محض مفاد ہی کو پیش نظر رکھا تو ایسے ہی عالموں کو قیامت میں گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا۔

"اذهبوا الى الذين كنتم تراؤن في الدنيا فانظروا
هل تجدون عندهم جزاء او خير"

اس کا ٹھکانہ نہ صرف جہنم ہوگا بلکہ وہ جہنم کی وادی جب الحزن میں ڈالا جائے گا جس سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اللهم اني اعوذبك من علم لا ينفع" کہہ کر اسی جانب توجہ دلائی ہے۔ اور علماء امت کی خیرخواہی کیلئے اس طرح نصیحت فرمائی:۔

"لا تعلموا العلم لتباهوا به العلماء او لتماروا به
السفهاء" اور "لتصرفوا وجوه الناس اليكم فمن
فعل ذلك فهو في النار"

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث "الانتفاع بالعلم والعمل به" کے تحت ذکر کی ہے وجہ مطابقت ظاہر ہے کہ اس شخص نے محض اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کیلئے علم حاصل کیا اس سے نہ اخروی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی اس پر عمل کیا تو اس کے نتیجہ میں ایسے عالم کا انجام نہایت خطرناک ہو سکتا ہے لہٰذا اہل اسلام کو ذاتی اغراض سے قطع محض عمل اور اخروی فلاح کیلئے علم حاصل کرنا چاہئے۔

(ج) ماری یماری مماراۃ: جھگڑنا، بحث ومباحثہ کرنا۔
باھی یباھی مباھاۃ: باہم فخر کرنا۔
صرّف یصرف تصریفا: پھیرنا، مبذول کرانا۔

سوال ۴۶:۔ عَن انس بن مَالِکٍؓ یَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ مَن سُئِلَ عَن عِلمٍ فَکَتَمَہٗ اُلجِمَ یَومَ القِیٰمَۃِ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ۔
(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔
(ب) نیز یہ بتائیے کہ ہر قسم کے علم چھپانے پر یہ تہدید ہے یا خاص قسم کے کتمان پر جو پہلو اختیار کریں اس کو مذکورۃ فی الباب حدیث و قرآن سے مدلل کریں۔

جواب سوال ۴۶:۔ (الف) اعراب کیلئے حدیث بالا دیکھئے۔
حضرت انس بن مالک رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (خود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ کسی (عالم) سے اگر کوئی علمی امر (کی بابت دریافت) کیا جائے اور وہ (عالم جاننے کے باوجود) اس کو چھپائے تو کل قیامت میں اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔
(ب) امام سید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید ضروری اور روزمرہ کے علم کے متعلق ہے رہا وہ علم جس کی مسائل دعوام کو کوئی ضرورت نہیں تو اس کے متعلق یہ وعید نہیں۔
علامہ خطابی اور امام سید اس ضروری علم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اسلام کے اوامر ومنہیات اور اس کی تاریخ ومزاج کے بارے میں استفسار کرے یا ادائے صلوٰۃ و دیگر فرائض وارکان کی بابت دریافت کرے یا پھر کسی شئی کے بارے میں حلت وحرمت کا فتویٰ چاہے اور مفتی وعالم کوئی جواب نہ دے تو وہ اس وعید شدید کا مصداق ہوگا۔
امام ابن ماجہؒ علیہ شراح حدیث کے انھیں بیان کردہ معنی کی وضاحت کیلئے ایک اور حدیث باب میں لائے ہیں اور اس کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔

"عن ابی سعیدؓ الخدری رضؓ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من کتم علما مما ینفع اللہ
بہٖ فی امر الناس امر الدین الجمہ اللہ یوم القیٰمۃ بلجام من النار"

یہ حدیث صاف وضاحت کر رہی ہے کہ حدیث باب میں وارد وعید صرف اس علم کے متعلق ہے جو عوام الناس کی روزمرہ کی دینی ضروریات میں سے ہو نیز ینفع اللہ بہٖ کا قرینہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ وہ علم عوام کیلئے مفید اور ضروری ہو اور ایسے ہی علم کے کتمان پر قرآن کریم نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:۔

"ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہٖ ثمنا قلیلا اولٰئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار"
دوسری جگہ اس علم کی وضاحت قرآن میں اس طرح کی گئی ہے:۔
"ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینّٰہ للناس فی الکتاب اولٰئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون"
آیت بالا میں بھی اسی علم کی صراحت ہے جو عوام الناس کیلئے کتاب میں بیان کر دیا گیا ہو نیز بینات اور ہدیٰ سے بھی اسی قسم کے علم کی تعیین ہوتی ہے جو عوام کیلئے ارکانِ دین کی تشریح کرے۔
انھیں آیات وحدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"علم کو چھپانے کی یہ سخت وعید انھیں علوم ومسائل کے متعلق ہے جو قرآن میں واضح بیان کئے گئے ہوں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل واحکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے آیت مذکورہ من البینات والھدیٰ سے اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے فرمایا۔ تم اگر عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ

سکیں تو تم ان کو فتنہ میں مبتلا کردوگے[1]

ہماری درج بالا تشریح سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث باب میں وعید مطلق علم کے متعلق نہیں بلکہ مقید علم کے متعلق ہے اور یہ وعید تھوڑی حد تک حالات و تقاضے پر بھی منحصر ہے[2]

قد تم الفراغ من تالیف ھذا الکتاب المسمّی بمصباح الزجاجۃ شرح اردو مشکلات ابن ماجۃ فی ۲۲ من جمادی الاولیٰ بسنۃ ۱۴۱۰ ھجری بعد صلاۃ الجمعۃ، فالحمد للہ علی ذٰلک۔

(العبد الآثم اسعد قاسم)

---

[1] معارف القرآن جلد اول ص۲۰۳۔

[2] کتمان علم کیلئے دیکھئے مرقاۃ اول ص۲۳۵، تعلیق اول ص۱۵۲، شرح السنۃ اول ص۳۰۱۔

﴿پیشکش: طوبیٰ لائبریری راولپنڈی﴾

معاون خصوصی: مولانا ادریس صاحب، خطیب

جامع مسجد سیّدنا حمزہؓ، F10، اسلام آباد

کتاب

مِصبَاحُ الزّجَاجَة شرح اردو مشكلاتِ

ابن ماجه

منتخب افادت: مولانا ریاست علی بجنوری صاحب،

محدثِ دیوبند

مئولف: مولانا اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضلِ دیوبند